مسئلۂ خلافت و امامت و مناقب زہراؑ

الحمدلہٗ

کہ

دلچسپ اور چیدہ ذخیرہ تحقیقات

ضمیمہ اصلاح نمبر ۶ یعنی مضمون ماہ رجب سنہ ۱۳۵۴ھ

مسئلہ خلافۃ و امامۃ

جو ایک انصاف پسند ہندو فاضل جناب پنڈت ہرنام صاحب دام مجدہٗ کی
قوت علم اور زور قلم کا نتیجہ ہے

مع مضمون

بحث خلافۃ و امامۃ پر ایک نظر

جو مشہور پیشواے اہل سنت جناب علامہ معینی نظامی صاحب حیدرآبادی دام فیضہٗ
نے مضمون مذکور بالا کی تائید میں کمال جامعیت سے لکھا ہے

مطبع اصلاح کھجوا میں طبع کیا گیا

فہرست مضامین

۷۸۶

الحمد للہ

کہ

دلچسپ اور جدید ذخیرۂ تحقیقات

یعنی مضمون

مسئلہ خلافۃ و امامۃ

جو ایک انصاف پسند ہندو فاضل جناب پنڈت ہرنام صاحب دام مجدہٗ
کی قوت علم اور زور قلم کا نتیجہ ہے

مع مضمون

بحث خلافۃ و امامۃ پر ایک نظر

جو مشہور پیشوائے اہلسنت جناب علامہ عینی نظامی صاحب حیدر آبادی دام فیضہ
نے مضمون مذکور بالا کی تائید میں کمال جامعیت سے لکھا ہے

مطبع صلاح کھجوا میں طبع کیا گیا

سنہ ۱۳۵۴ھ

دیباچہ از منیجر رسالہ اصلاح کھجوا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد و آلہ الطیبین الطاہرین

لکھنؤ سے حضرات اہلسنت کا ایک بہت مشہور مقبول اور معزز علمی و دینی ماہوار رسالہ نگار نکلتا ہے۔ اس کے ماہ مارچ ۱۹۳۵ء کے نمبر میں ایک انصاف پسند ہندو محقق جناب پنڈت ہرنام صاحب دام مجدہٗ کا نہایت محققانہ مضمون "مسئلہ خلافت و امامت" پر شایع ہوا۔ اس مضمون نے حضرات اہلسنت میں بڑی شورش پیدا کی۔ اس کی مستحکم تحقیقات اور زبردست استدلالات نے سب کو نہایت پریشان کیا مگر سچی باتوں کا جواب کیا ہو سکتا ہے۔ تاہم مولوی عبدالشکور صاحب نے اپنے اخبار النجم لکھنؤ میں اس کے جواب کی کوشش کی لیکن وہ اتنی مختصر اور کمزور ہے کہ کسی کو اُس طرف توجہ نہیں ہوئی۔ البتہ رسالہ فاران میں اس کا پورا جواب دینے کی سعی کی گئی پھر اس جواب کا مفصل اور نہایت تشفی بخش جواب الجواب حضرات اہلسنت کے مشہور پیشوا جناب علامہ عینی نظامی صاحب حیدرآبادی دام برکاتہم نے مشہور اخبار منادی دہلی مورخہ ۵ و ۱۲ جولائی ۱۹۳۵ء میں شایع کرا کے سب کی زبانیں بند کر دیں۔

چونکہ دونوں تحریریں بہت مفید ہیں اس وجہ سے دفتر اصلاح ان کو اس رسالہ کے ذریعہ سے کتابی صورت میں شایع کرتا ہے۔ خدا کرے اس کے مطالعہ سے مسلمانوں کو نفع ہو اور وہ ہدایت و ضلالت کی راہوں میں فرق کر سکیں۔ وما علینا الا البلاغ

منیجر اصلاح کھجوا (بہار)

مسئلہ خلافت و امامت
(ایک غیر مسلم کے نقطۂ نظر سے)

"محترم مدیر نگار"

میں ایک عرصہ سے نگار کا مطالعہ کر رہا ہوں اور اسمیں کلام نہیں کہ مذہب کے باب میں آپکی بے لاگ تنقیدوں سے میں نے کافی استفادہ کیا لیکن افسوس ہے کہ اس وقت تک آپ نے اسی مسئلہ پر توجہ نہیں کی جو یقیناً جماعۃ اسلامی کے ہر فرد کی اولین توجہ چاہتا ہے۔

مجھے شیعہ سُنّی کسی جماعۃ سے تعلق نہیں ہے کیونکہ میں ایک غیر مسلم شخص ہوں لیکن میں نے ہمیشہ جماعۃ اسلامی کے ان دونوں فریقوں کے اختلاف کو نہایت افسوس کے ساتھ دیکھا ہے اور حیران ہوں کہ اسوقت تک کیوں اس تفریق کے مٹانے کی کوشش نہیں کیگئی۔

ممکن ہے آپ نے مسئلہ خلافت و امامت پر صرف اس لئے اظہار خیال نہ کیا ہو کہ یہ نزاع عرصہ سے چلی آرہی ہے اور اس کا فیصلہ دشوار ہے لیکن یہ ضرور نہیں کہ ماضی کا عقدۂ لاینحل مستقبل و حال میں بھی بدستور معمہ بنا رہے۔ بہرحال میں عرصہ سے متمنی تھا کہ آپ کے خیالات اس باب میں معلوم کروں اور اسکی تدبیر میں نے یہی مناسب سمجھی کہ خود اپنی تحقیق اس مسئلہ میں آپکے سامنے پیش کروں اور اگر آپکو اس سے اختلاف یا اتفاق ہو تو "باب المراسلۃ والمناظرۃ" کے وساطت سے جو غالباً اسی غرض کے ساتھ نگار میں قائم کیا گیا ہے آپ مجھے جواب دے سکیں۔

آپ دیکھیں گے کہ میں نے اس مقالہ کی طیاری میں تاریخ اسلامی کے اصل ماخذوں کو سامنے رکھا ہے اور اس لئے مجھے امید ہے کہ جواب دینے میں آپ بھی اس کا التزام

رکھیں گے۔

"ہرنام"

فلسفہ کے کیسے کیسے عمیق مسائل طے ہو گئے، ریاضی کے کیسے کیسے دقیق نظریے حل ہو گئے۔ نظام بطلیموسی کی جگہ نظام فیثاغورس نے لے لی۔ نیوٹن کے نظریۂ کشش کو انیشٹن نے بدل کر رکھ دیا، لیکن خلافت کا جھگڑا مسلمانوں میں ساڑھے تیرہ سو برس گزرنے کے بعد بھی اسی طرح اُلجھا ہوا پڑا ہے۔

"خلافت" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی "جانشینی یا قائم مقامی" کے ہیں۔ لیکن "جانشینی" کا مفہوم صرف جگہ پر بیٹھ جانا نہیں ہے بلکہ "جانشینی" بہ حیثیت عہدہ، بہ حیثیت منصب، بہ حیثیت فرائض، بہ حیثیت اخلاق و اعمال اور بہ حیثیت مراتب کمال ہوا کرتی ہے۔

ایک شاعر کا جانشین شاعر، طبیب کا جانشین طبیب، قاضی کا جانشین قاضی اور وکیل کا جانشین وکیل ہوا کرتا ہے۔ ایک شاعر کی جگہ حکیم اور حکیم کی جگہ قاضی اور قاضی کی جگہ وکیل سے پُر نہیں ہو سکتی۔ بلکہ ایک ہی نوع میں صنف کے بدلنے سے بھی خصوصیت مختلف ہو جاتی ہے۔ یعنی خود شعرا میں مرثیہ گو کا جانشین غزل گو اور غزل گو کا جانشین قصیدہ گو نہیں سمجھا جا سکتا چہ جائیکہ شاعر کی جگہ لوہار اور قاضی کی جگہ معمار صحیح جانشین سمجھا جائے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ "خلیفہ" حقیقتاً وہ ہے جو اپنے کمالات اور خصوصیات میں اپنے پیش رو کے کمالات و خصوصیات کا زیادہ سے زیادہ شریک و حصہ دار ہو۔

اس نظریہ کے ماتحت ہمارے سامنے قدرتاً یہ تنقیح پیش ہوتی ہے کہ آنحضرت کی حیثیت ایک دنیاوی بادشاہ کی سی تھی یا ایک معلم روحانی کی۔ یعنی آپکا مقصود صرف حکومت و سلطنت قائم کرنا تھا یا لوگوں کے اخلاق کو درست کرنا۔ ظاہر ہے کہ آپ کسی سلطنت کی بنیاد نہیں رکھ رہے تھے بلکہ ایک قوم بنا رہے تھے جو انسانیت و اخلاق کے جوہر سے آراستہ ہو اور بجائے تیغ و خنجر کے اپنی شرافت نفس سے

روحانی حکومت دنیا میں قائم کرے۔

اگر آپکی حیثیت صرف ایک دنیاوی بادشاہ کی سی ہوتی تو بیشک آپکی خلافت کے لئے ایک بادشاہ ہونے کی حیثیت کافی تھی اور جو کوئی آپکا خلیفہ مقرر کر دیا جاتا کسی کو اعتراض کا حق حاصل نہ تھا۔ لیکن اگر رسول کی حیثیت صرف ایک بادشاہ کی سی نہ تھی بلکہ معلم روحانی ہونے کی خصوصیت بھی آپ میں پائی جاتی تھی تو ہم کو دیکھنا چاہئے کہ اس باب میں افضلیت کس کو حاصل تھی۔

اب آیئے واقعات تاریخی پر ایک نگاہ ڈال کر دیکھیں کہ اُن کا فیصلہ اس مسئلہ میں کیا ہے۔ سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اسلام قبول کرنے کی حیثیت سے کس کو کس پر تفوق حاصل ہے۔ ظاہر ہے کہ منصب نبوت ملنے کے بعد آنحضرت نے اول اول اپنے ہی گھر والوں سے تبلیغ کی ابتدا کی ہوگی جنمیں جناب خدیجہ اور علی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اور۔ اگر اہل سنت کی مستند کتابوں پر اعتماد کیا جائے تو یہ فیصلہ دشوار نہیں کہ سب سے پہلے جس انسانی ہستی نے اسلام قبول کیا وہ جناب امیر کی ذات تھی۔ شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی تقریب التہذیب[1] میں لکھتے ہیں کہ:۔ اَلْمُرَجَّحُ اَنَّهٗ اَوَّلُ مَنْ اَسْلَمَ یعنی ترجیح اسی امر کو ہے کہ سب سے پہلے آپ اسلام لائے۔ اسی کتاب کے باب الالقاب[2] سے پتہ چلتا ہے کہ آپکا سابق الاسلام ہونا اتنا مشہور تھا کہ آپکا خطاب ہی "سابق العرب" (اہل عرب میں سب سے پہلے اسلام لانے والا) قرار پا گیا تھا۔

واقعات سے بھی اس قول کی ترجیح ظاہر ہوتی ہے۔ عفیف کندی کی روایت ملاحظہ ہو:

"میں تاجر تھا، حج کے لئے مکہ آیا تو عباس ابن عبد المطلب کی ملاقات کو جایا کرتا تھا۔ ایک دن اُنکے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ ایک شخص پردہ سے نکلا اور پھر عبادت میں مصروف ہو گیا۔ اسکے بعد ایک خاتون پردہ سے باہر آئیں اور اس شخص کے پیچھے کھڑی ہو گئیں۔ میں نے عباس سے پوچھا یہ کون ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ محمد بن عبد اللہ ہیں۔ میں نے پوچھا وہ خاتون کون ہیں۔ کہا اُنکی بیوی خدیجہ بنت خویلد۔ تھوڑی دیر میں ایک کمسن نوعمر صاحبزادہ آیا اور

[1] مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۸۴ [2] تقریب التہذیب صفحہ ۳۳۱

وہ بھی ان کے ساتھ مصروف عبادت ہو گیا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ عباس نے کہا کہ یہ محمد کا چچا زاد بھائی علی ہے۔ میں نے کہا یہ کرتے کیا ہیں؟ جواب ملا کہ نماز پڑھتے ہیں۔ محمد کا خیال ہے کہ خدا نے انکو پیغمبر بنایا ہے اور اس وقت تک سوائے انکی بیوی اور چچا زاد بھائی کے کسی نے اُن کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کیا۔ اسکے باوجود محمد کا خیال ہے کہ وہ قیصر و کسریٰ کے ممالک کو فتح کرینگے"

عفیف اس واقعہ کے بعد اسلام لائے تھے اور کہا کرتے تھے کہ لو کان اللہ رزقنی الاسلام یومئذ لکنت ثانیاً مع علی بن ابیطالب (یعنی اگر اس دن مجھے اسلام لانے کی توفیق ہو جاتی تو علی کے بعد دوسرا میں ہوتا)

اس روایت کو علامہ ابن عبد البر قرطبی نے استیعاب[1] میں۔ ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ[2] میں۔ ابن جریر طبری نے تاریخ کبیر[3] میں اور ابن اثیر نے کامل[4] میں درج کیا ہے۔

یہ اُس وقت کی بات ہے جب آنحضرت مخفی طور پر تبلیغ اسلام کر رہے تھے لیکن جب آیت وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی اور ایک محدود دائرہ کے اندر تبلیغ کا حکم نازل ہوا تو آنحضرت نے اپنے اقرباء اور اولاد عبد المطلب و ہاشم کو جمع کیا اور اس وقت جو تقریر آپ نے کی وہ خلافت کے مسئلہ کو بھی ہمیشہ کے لئے حل کر گئی۔

ارشاد ہوتا ہے :-

یا بنی عبد المطلب انی واللہ ما اعلم شاباً فی العرب جاء قومہ بافضل مما قد جئتکم۔ انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ وقد امرنی اللہ تعالیٰ ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی

اے فرزندان عبد المطلب! واللہ میں نہیں سمجھتا عرب کے کسی جوان نے اپنی قوم کے سامنے وہ تحفہ پیش کیا ہو جو میں تمہارے سامنے پیش کرتا ہوں۔ میں دنیا و آخرۃ کی بہتری کا تحفہ پیش کرتا ہوں اور خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم کو اسکی دعوت دوں۔

[1] مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ [2] مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۴۱۴ [3] مطبوعہ مصر جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ [4] جلد ۲ صفحہ ۲۱

علی ھذا الامر علی ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم	پھر کون ہے جو اس امر میں میرا ساتھ دے تاکہ وہی میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین قرار پائے۔

یہ سنکر مجمع پر خاموشی کا عالم طاری ہو گیا اور کسی طرف سے کوئی آواز بلند نہ ہوئی۔ آخر کار علی اُٹھے اور یہ آواز بلند کہا کہ "انا یا نبی اللہ انا اکون وزیرک علیہ" (اے رسول اللہ میں آپکی اعانت و ہمدردی کے لئے آمادہ ہوں) حضرت نے یہ سنکر فرمایا "ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوہ" (دیکھو یہی میرا بھائی میرا ولی عہد اور میرا جانشین ہے تم سب کو اسکی بات سننا اور اسکی اطاعت کرنا چاہئے[1])

چلئے معاہدہ ہو گیا۔ قرارداد پایہ تکمیل کو پہونچ گئی۔ علی نے بیعت کی۔ رسول نے بیعت لی۔ کس بات پر؟ نصرت اسلام پر۔ اعلاء کلمۃ الحق پر اور رسول نے ... اسی وقت اپنی خلافت و جانشینی کا مسئلہ بھی طے کر دیا۔

بیشک اگر خود علی اسکے بعد اپنے فرائض میں کوتاہی کرتے اپنے اقرار وفا میں ثابت قدم نہ ٹھہرتے۔ اپنے عہد نصرت میں کمزور ثابت ہوتے تو یہ معاہدہ بھی کالعدم ہو جاتا لیکن چونکہ آپکی خدمات شروع سے اخیر تک یکساں طور پر اسی طرح قائم رہتی ہیں اس لئے ہم کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ معاہدہ منسوخ ہو گیا۔ اب آیئے اسکی تحقیق بھی کر لیں کہ آپ نے کسی وقت کوئی کمزوری تو نہیں دکھائی۔ اعانت رسول سے کبھی منہ تو نہیں پھیرا اور جو قول و قرار ایک بار ہو چکا تھا اُس سے کبھی انحراف تو نہیں کیا۔ یہ امر تاریخ اسلام کے دیکھنے والوں سے مخفی نہیں کہ جب رسول اللہ نے تبلیغ شروع کی تو کفار کی ایذا رسانیاں بڑھنے لگیں۔ آپ کے قتل کی تدبیریں ہونے لگیں اور مسلمانوں کی جماعت ہجرت پر آمادہ ہو گئی۔ چنانچہ حد یہ ہے کہ قبائل عرب میں سے چند لوگ اس بات پر تل گئے کہ گھر کا محاصرہ کرکے آپکو قتل کر ڈالیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وقت کتنا نازک تھا

[1] تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۲۱۷۔ ابو الفداء مطبوعہ مصر جلد ۱ صفحہ ۱۱۶۔ کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۲۲۔ لباب التاویل خازن بغدادی مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۰۶۔ معالم التنزیل بر حاشیہ تفسیر خازن مطبوعہ مصر جلد ۵ صفحہ ۱۰۵

اور ایسے وقت میں مدد دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ لیکن رسول اللہ جانتے تھے کہ کون کام آنے والا ہے۔ اس لئے آپ نے بلا تامل مکہ سے پوشیدہ طور پر ہجرت کا ارادہ کرلیا اور کفار کے عزائم کو ناکام بنانے کے لئے آپ نے جناب امیر سے یہ خیال ظاہر کرکے کہا "نم علی فراشی واتشح ببردی الحضرمی الاخضر فنم فیہ" (تم میرے بچھونے پر سو رہو اور میری سبز چادر اوڑھکر لیٹ جاؤ)

کتنا سخت مرحلہ تھا۔ کیسی دشوار گزار منزل تھی۔ مگر وہ جو ایک بار جان نثاری و وفاداری کا عہد و پیمان کرچکا تھا اپنی جان دینے کے لئے چادر تان کر سو رہا اور رسالتمآب تشریف لے گئے۔

قسطلانی کہتا ہے:-

"فکان اول من شری نفسہ" (وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اپنی جان بیچ ڈالی)[1]

امام غزالی لکھتے ہیں کہ اس موقع کے لئے علی کے باب میں یہ آیت نازل ہوئی:-

"ومن یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ" (ایسے بھی لوگ ہیں جو خدا کی مرضی پر اپنی جان بیچ ڈالتے ہیں)

اکثر مورخین نے ظاہر کیا ہے کہ رسالتمآب اپنے بعد علی کو اس لئے چھوڑ گئے تھے کہ وہ لوگوں کی امانتیں جو رسول اللہ کے پاس تھیں واپس کردیں[2]

آنحضرت کی معیت میں حضرت ابوبکر تشریف لے گئے اور غار میں پناہ لی۔ جب کفار قریش تعاقب میں یہاں تک پہونچ گئے تو حضرت ابوبکر کو فکر دامنگیر ہوئی۔ آنحضرت نے فرمایا رنج نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ قرآن کی آیت یہ ہے:-

ثانی اثنین اذ ھما فی الغار یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا	وہ وقت جب ہمارا رسول اپنے ایک ساتھی کے ساتھ تھا اور وہ دونوں غار میں تھے

[1] مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۸۳ [2] تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ [3] ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۲۶ تاریخ خمیس دیار بکری جلد ۱ صفحہ ۳۲۵ - کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۳ - مواہب لدنیہ قسطلانی مطبوعہ قسطنطنیہ جلد ۱ صفحہ ۸۰

فانزل اللہ سکینتہ علی رسولہ | وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ غم نہ کرو خدا ہمارے ساتھ ہے۔ تو خدا نے اطمینان و سکون نازل کیا اپنے رسول پر۔

اس واقعہ پر حضرت ابوبکر کے فضائل بیان کئے جاتے ہیں کہ خدا نے انھیں "صاحب" کے لفظ سے یاد کیا اور آنحضرت نے (ان اللہ معنا) کہہ کر اپنے ساتھ انکو بھی شامل کر لیا لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک شخص کو محض لفظ "صاحب" یا ساتھی سے یاد کرنا جبکہ وہ واقعی ساتھ ہو کس فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔ لفظ (صاحب) تو ایسا ہے جس میں ہر شخص شامل ہو سکتا ہے۔ چنانچہ قرآن میں دوسری جگہ کسی مومن و غیر مومن کی گفتگو کے سلسلہ میں لفظ (صاحب) اسی طرح نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

اذ قال لصاحبہ وھو یحاورہ اکفرت بالذی خلقک۔ الغرض ایک ساتھی کو ساتھی کہنا کوئی ایسی بات نہیں جس سے کوئی فضیلت ظاہر ہو۔ رہا خدا کا ساتھ ہونا، سو ظاہر ہے کہ جس جگہ رسول ہوں گے وہاں خدا کی معیت بھی ہوگی۔

غار والی آیت میں سب سے زیادہ قابل غور آخری الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے صرف اپنے نبی پر اطمینان و سکون نازل کیا۔ یہاں اُن کے ساتھی کا ذکر بالکل نہیں ہے اگر جناب ابوبکر کے اطمینان و سکون کو بھی ظاہر کرنا مقصود ہوتا تو (علی رسولہٖ) کے بجائے (علیھما) ارشاد ہوتا۔

بہر حال اس واقعہ ہجرت و واقعہ غار میں حضرت علی نے جس ایثار و قربانی، جس دلیری و بے نفسی کا ثبوت دیا وہ بجائے خود اتنا اہم ہے کہ حضرت ابوبکر کی معیت وغیرہ کا کوئی سوال اسکے مقابلہ میں لایا ہی نہیں جا سکتا۔ اب اور آگے چلئے۔

مدینہ میں آنیکے بعد آنحضرت نے مہاجرین و انصار کے درمیان دوبارہ مواخاۃ قائم کی۔ ظاہر ہے کہ بھائی چارہ انھیں دو آدمیوں میں قائم کیا جاتا ہے جو اپنی خصوصیات مزاجی و عادات و خصائل کے لحاظ سے باہم گر بہت ملتے جلتے ہوں۔ چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت ابوبکر کو حضرت عمر کے ساتھ بھائی بھائی قرار دیا۔ حضرت حمزہ کو زید ابن حارثہ کے

ساتھ۔ حضرت عثمان کو عبدالرحمٰن ابن عوف کے ساتھ۔ زبیر کو ابن مسعود کے ساتھ۔ عبیدہ ابن حارث کو بلال کے ساتھ۔ مصعب بن عمیر کو سعد ابن ابی وقاص کے ساتھ ابو عبیدہ جراح کو سالم مولی ابی حذیفہ کے ساتھ اور سعید ابن زید کو طلحہ کے ساتھ رہ گئے علی سو اُن کا بھائی چارا اپنے ساتھ کیا۔ چنانچہ مورخ ابوالفدا لکھتا ہے[1]:۔

أخی رسول الله فاتخذ رسول الله علی ابن ابی طالب اخاہ کان علی یقول علی منبر الکوفۃ ایام خلافته انا عبد الله واخو رسول الله۔	آنحضرت نے اپنے اصحاب میں مواخاۃ قرار دی اور علی ابن ابیطالب کو اپنا بھائی قرار دیا اور علی اپنے زمانہ خلافت میں کوفہ کے منبر پر کہا کرتے تھے کہ میں خدا کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔

ایک دوسرے موقعہ پر بھی رسول اللہ نے سب کو ایک دوسرے کے ساتھ بھائی بنایا تھا اور علی کو اپنے ساتھ رکھا تھا۔ ابن عبدالبر نے استیعاب[2] میں لکھا ہے:۔

أخی رسول الله بین المهاجرین ثم اخی بین المهاجرین والانصار و قال فی کل واحد منهما لعلی انت اخی فی الدنیا والاخرۃ۔	رسول اللہ نے ایک بار مہاجرین کے درمیان مواخاۃ قائم کی اور دوسری بار مہاجرین و انصار کے درمیان اور ہر مرتبہ یہی فرمایا کہ علی دنیا و آخرت میں میرا بھائی ہے۔

اس کا تذکرہ ابن حجر مکی کی صواعق محرقہ[3] اور تاریخ خمیس[4] میں بھی موجود ہے۔

مسجد نبوی کی صورت یہ تھی کہ اسکے چاروں طرف صحابہ کے گھر تھے اور ان سب کے دروازے مسجد میں کھلتے تھے جس سے لوگوں کی آمد و رفت صحن مسجد میں رہتی تھی۔ ایک مرتبہ آنحضرت

---

[1] تاریخ ابوالفدا جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ [2] مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد جلد ۲ صفحہ ۴۷۳
[3] مطبوعہ مصر صفحہ ۷۵ [4] جلد ۱ صفحہ ۳۹۹

نے حکم دیا کہ سب دروازے چُن دیئے جائیں مگر علی کے مکان کا دروازہ نہ چنا جائے۔
اس حکم پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہوئیں تو حضرت نے منبر پر جاکر فرمایا کہ "مجھے جو حکم خدا کی طرف سے ہوا وہ میں نے کیا۔ میں نے اپنی مرضی سے نہ اُن دروازوں کو بند کیا اور نہ اسکو کھلا رکھا" لہ

اس واقعہ سے اور اس قسم کے بہت سے نظائر سے جن کا ذکر آگے آئیگا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ رسول کی ان توجہات کو جو جناب علی کے ساتھ تھیں اچھی نگاہوں سے نہ دیکھتے تھے اور جناب رسالت مآب کی موجودگی میں بھی نکتہ چینی سے باز نہ آتے تھے اور یہ وہ جذبات تھے جن کا آہستہ آہستہ قوی ہونا ضروری تھا کیونکہ رسول اللہ کے الطاف جناب امیر پر برابر بڑھتے ہی جاتے تھے اور جیسا کہ آیندہ صفحات سے معلوم ہوگا حضرت علی اپنی خصوصیات اخلاق کی وجہ سے رسول اللہ کے دل میں گھر کرتے ہی جا رہے تھے۔

سنہ ۲ ہجری میں اسلام کی سب سے پہلی لڑائی ہوئی جس کا نام جنگ بدر ہے مسلمانوں کی تعداد کم تھی۔ سازوسامان بھی موجود نہ تھا اور رسول اللہ کے لئے میدان جنگ سے کچھ علحدہ ایک عریش بنادیا گیا تھا تاکہ وہاں سے جنگ کی حالت کا مشاہدہ فرماتے رہیں حضرت ابوبکر نے اس لڑائی میں کوئی عملی حصہ نہیں لیا بلکہ وہیں عریش پر بیٹھے رہے۔ ۲ہ حضرت عثمان اپنی بیوی کی علالت کی وجہ سے مدینہ ہی میں رہ گئے تھے ۳ہ میدان جنگ اُس دن چند آدمیوں کے ہاتھ رہا جنہیں نمایاں حصہ رسول اللہ کے قرابتداروں نے لیا مثلاً حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب، عبیدہ بن حارث اور حضرت علی۔ عبیدہ شہید ہوگئے اور حضرت علی کے ہاتھ سے بڑے بڑے کفار قتل ہوئے ۴ہ

اسی سال حضرت نے علی ابن ابیطالب کو اپنی دامادی سے سرفراز کیا اور اپنی محبوب صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا کا عقد اُن سے کردیا۔ تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا

لہ خصائص نسائی ص۳ ۔ ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۹۲ ۲ہ تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۸۰ و ابوالفداء ج ۱ ص ۱۲۸ و تاریخ خمیس ج ۱ ص ۲۲۷ طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۹ ۳ہ طبری جلد ۳ ص ۲۹۶ و ابوالفداء ج ۱ ص ۱۸۱ طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۶ ۴ہ ابوالفداء ج ۱ ص ۱۲۹

ہے کہ حضرت ابوبکر اور حضرت عمر دونوں نے خواستگاری کی۔ مگر رسول اللہ نے کوئی جواب نہ دیا لیکن جب حضرت علی نے خواہش ظاہر کی تو حضرت نے فرمایا کہ:-

قد امرنی ربی بذلک (اس کا تو مجھے خدا نے حکم دیا ہے)

جب عقد ہو چکا تو حضرت نے جناب فاطمہ سے فرمایا:-

اما ترضین یا فاطمۃ ان اللہ اختار من اھل الارض رجلین جعل احدھما اباک والاخر بعلک ؎۲	اے فاطمہ کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ خدا نے تمام اہل زمین میں دو شخصوں کا انتخاب کیا جن میں سے ایک تمہارا باپ ہے اور دوسرا شوہر۔

اس سے ظاہر ہے کہ اس شادی کی بنیاد صرف ذاتی قرابت پر نہیں تھی بلکہ انتخاب الٰہی اور فضیلت ذاتی پر تھی۔ مصالح اسلامی کے لحاظ سے لڑکیاں لے لینا اور خود داماد بن جانا دوسری بات تھی لیکن جب لڑکی دینے کا وقت آیا تو بڑے بڑے صحابہ کی خواہش رد کر دی گئی اور حضرت علی کا انتخاب کیا گیا۔ یہ واقعہ ایسا نہ تھا جس کا اثر زائل ہو جاتا۔ رہا اور عمر بھر رہا۔ چنانچہ حضرت عمر فرماتے تھے:-

لقد اعطے علی ثلث خصال لان تکون لی خصلۃ منھا احب الی من حمر النعم فسئل ماھی قال تزویجہ ابنتہ ؎۳	علی کو تین باتیں ایسی حاصل ہوئیں کہ اگر انمیں سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتی تو سرخ اونٹوں سے زیادہ مجھے محبوب ہوتیں۔ پوچھا گیا وہ کیا ہیں۔ کہا کہ ایک تو یہی ہے کہ رسول کی صاحبزادی کا عقد اُن سے ہوا۔

سنہ ۳ھ میں احد کی جنگ ہوئی۔ یہ وہ سخت و فیصلہ کن جنگ تھی جسے قدرت کو مسلمانوں کے عزم و ثبات کی کسوٹی بنانا منظور تھا۔ اول اول حالات بہت امید افزا تھے

؎۱ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صـ۸۶ ۔ تاریخ خمیس جلد ۱ صـ۴۱۲ ۔ مواہب لدنیہ جلد ۱ صـ۸۹
؎۲ ریاض نضرہ جلد ۲ صـ۱۸۲
؎۳ صواعق محرقہ صـ۷۸ ۔ تاریخ الخلفا سیوطی صـ۱۲۱

کیونکہ لشکر کفار کے علمدار طلحہ بن عثمان کو حضرت علی نے قتل کر کے دشمنوں کو شکست دیدی تھی لیکن جب کفار بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمان مال غنیمت لوٹنے کے لئے پس و پیش سے بے خبر ہو گئے تو خالد ابن ولید نے (جو اس وقت تک اسلام نہ لائے تھے) پشت کی طرف سے پھر حملہ کر دیا اور اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا اُسے شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زبان سے سُن لیجئے۔ مدارج النبوۃ میں لکھتے ہیں :-

"مسلمانان رو بہ ہزیمت آوردند و حضرت رسول را تنہا گزاشتند حضرت در غضب آمد و عرق از پیشانی ہمایونش متقاطر گشت، دراں حالت نظر کرد علی ابن ابیطالب را کہ بر پہلوے مبارکش ایستادہ است فرمود کہ تو چرا بہ برادران خود ملحق نہ گشتی یعنی فرار نہ کردی علی گفت اکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ یعنی آیا کافر شوم بعد از ایمان بہ تحقیق کہ مرا بتو اقتدا است با یاران مغرور چہ سروکار باشد - درین اثنا جمعے از کفار متوجہ آنحضرت شدند آنحضرت فرمود " اے علی مرا ازیں جمع نگہدار و حق خدمت بجا آر کہ وقت نصرت ست۔ پس علی متوجہ آں قوم شد۔ چناں قلع قمع نمود کہ جمعے کثیر بہ دوزخ افتادند و باقی ماندگان متفرق گشتند می گویند کہ دراں روز شانزدہ زخمہا بر تنِ مبارکِ جنابِ امیر رسید۔"

دل بھر آتا ہے قلم لرزتا ہے۔ جی چاہتا ہے مورخوں کے منہ پر ہاتھ رکھ دوں تاریخ کے صفحات سے ان حروف کو چھیل کر پھینک دوں۔ کس طرح دیکھوں اور کیونکر لکھوں کہ کس کس نے فرار کیا۔ لیکن حاکم کو کیا کروں، امام فخر الدین رازی، محمد ابن جریر طبری، ابن اثیر جزری، شیخ الاسلام سیوطی ان سب کے بیانات کو کہاں لیجاؤں۔ جدھر دیکھئے اُس طرف سے "رو بہ ہزیمت آوردند رسول اللہ را تنہا گزاشتند" کی آواز آ رہی ہے اور لطف یہ کہ ایک ایک کا نام بھی لکھدیا ہے۔

تاریخ خمیس (جلد ا صفحہ ۴۸۵) میں ہے کہ حضرت ابو بکر فرماتے ہیں :-

لما صرف الناس یوم احد عن رسول اللہ کنت اول من جاء النبیؐ یعنی (جب لوگوں نے اُحد کے دن رسول اللہ سے روگردانی کی تو میں رسالت مآب کے

پاس سب سے پہلے واپس آیا)

تفسیر جامع البیان ابن جریر طبری (جلد ۴ صـ۹۶) میں لکھا ہے :-

قال عمر لما کان یوم احد ھزمنا ففررت حتی صعدت الجبل فلقد رایتنی انزو کانی اروی یعنی حضرت عمر نے فرمایا کہ جب احد کے دن لوگوں نے شکست کھائی تو میں بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا وغیرہ وغیرہ"

امام فخرالدین رازی تفسیر کبیر (جلد ۳ صـ۱۴۷) میں لکھتے ہیں :-

ومن المنھزمین عمر الا انہ لم یکن فی اوائل المنھزمین ولم یبعد بل ثبت علی الجبل الی ان صعد النبی ومنھم ایضاً عثمان انھزم مع رجلین یقال لھما سعد وعقبۃ انھزموا حتی بلغوا موضعا بعیدا ثم رجعوا بعد ثلثۃ ایام فقال لھم النبی لقد ذھبتم فیھا عریضۃ (فراریوں میں حضرت عمر بھی تھے مگر وہ سب سے پہلے فرار کرنے والوں میں تھے اور بہت دور بھی نہ گئے تھے بلکہ پہاڑ پر چلے گئے تھے۔ فراریوں میں سے حضرت عثمان بھی تھے اور سعد وعقبہ کے ساتھ فرار کیا تھا اور یہ لوگ بہت دور نکل گئے گئے اور جب تین دن کے بعد واپس آئے تو رسول اللہ نے فرمایا کہ تم لوگ بہت لمبے نکل گئے تھے)

حضرت عثمان مقام اعوص کے حدود تک پہونچ گئے تھے اور جب وہاں سے تین دن کے بعد واپس آئے تو رسول اللہ نے وہ فقرہ فرمایا جس کا ذکر اوپر آیا ہے [۱]

خود قرآن مجید میں جو تصویر اس جنگ کی پیش کی گئی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو۔ ارشاد ہوتا ہے:

اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم۔	وہ وقت جب تم پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے تھے اور مڑ کے بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہیں پیچھے سے آواز دے رہا تھا۔

[۱] طبری جلد ۳ صـ۲۱ ۔ استیعاب جلد صـ۵۰۲ ۔ تفسیر جامع البیان جلد ۴ صـ۹۶

یہ تھا وہ عبرت انگیز سماں اور یہ تھا وہ امتحان محبت و صداقت جس میں سوائے ایک ذات علیؑ کے اور کوئی دوسرا کامیاب ثابت نہ ہوا۔

رسول اللہ کو اس دل شکن طرز عمل کی وجہ سے اتنی بے اطمینانی پیدا ہو گئی تھی کہ آپ نے خاتمہ جنگ پر قتل ہو جانے والوں کے متعلق فرمایا:۔ ھولاء اشھد علیھم (یہ وہ ہیں جن کے ایمان کی گواہی میں دیتا ہوں) حضرت ابوبکر نے کہا "یا رسول اللہ کیا ہم انکے بھائی نہیں ہیں اور کیا ہم اسلام نہیں لائے اور کیا ہم نے کبھی آپکے ساتھ جہاد نہیں کیا حضرت نے فرمایا بلے ولا ادری ما تحدثون بعدی" (ہاں مگر کیا معلوم میرے بعد تم لوگ کیا کرو گے) [۱]

سنہ ۵ھ میں جنگ خندق واقع ہوئی۔ احد کے واقعہ کا دھبا دامنوں پر موجود تھا اور اسکے چھڑانے کا یہ موقع اچھا تھا لیکن عمرو ابن عبدود کا سا بہادر پورے جوش و خروش سے مبارز طلبی کر رہا تھا کس میں ہمت تھی کہ موت کے منہ میں چلا جائے۔ تاریخ کا بیان ہے کہ:۔ "طلب المبارزۃ والاصحاب ساکتون کانما علی رؤسھم الطیر لانھم کانوا یعلمون شجاعتہ" (اس نے مقابل طلب کیا اور اصحاب تمام خاموش تھے گویا کہ انکے سروں پر طائر بیٹھا ہوا ہے کیونکہ وہ سب اسکی شجاعۃ سے آگاہ تھے)

جناب امیر پہلی ہی آواز میں اٹھ کھڑے ہوئے تھے مگر رسول اللہ نے انھیں روک دیا لیکن جب ہر طرف خاموشی چھائی رہی اور عمرو ابن عبدود کی لن ترانیاں بڑھنے لگیں تو رسول اللہ نے جناب امیر ہی کو اجازت دی اور بالآخر انھیں کی تلوار نے اس مہم کو بھی سر کیا [۲]

سنہ ۶ھ میں صلح حدیبیہ واقع ہوئی۔ رسول اللہ بظاہر حج کے ارادہ سے تشریف لے گئے تھے لیکن مشرکین کے سد راہ ہونے سے آپ نے حج کا ارادہ ترک فرما دیا اور چند شرائط کے ماتحت صلح کر لینا منظور فرما لیا۔ یہ شرطیں ایسی تھیں جن سے رسول اللہ کی

---

[۱] موطا امام مالک مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۱۷۴　[۲] تاریخ خمیس جلد ۱ صفحہ ۵۴۷

طرف ایک قسم کی کمزوری کا پہلو نمایاں تھا۔ اس صلح نامہ کے کاتب حضرت علی تھے لیکن دوسرے اصحاب کو اس موقع پر طرح طرح کے شکوک پیدا ہو گئے اور اس رواداری پر عجیب قسم کے غصہ و غم کی لہر دوڑ گئی۔

طبری نے لکھا ہے :۔

قد کان اصحاب رسول اللہ خرجوا وھم لا یشکون فی الفتح لرویا راھا رسول اللہ فلما راؤ ما راؤ من الصلح والرجوع وما تحمل علیہ رسول اللہ فی نفسہ دخل الناس من ذلک امر عظیم حتی کادوا ان یھلکوا [1]	جو صحابہ رسول اللہ کے ساتھ آئے تھے انہیں یقین تھا کہ فتح ہو گی کیونکہ رسول اللہ نے ایک خواب دیکھا تھا۔ لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ حضرت نے صلح کر لی ہے اور سخت شرائط منظور کر کے واپس جا رہے ہیں تو اُن کے دلوں میں ایسی بُری باتیں پیدا ہوئیں کہ قریب تھا وہ ہلاکت یعنی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں۔

حضرت عمر کا جو عالم تھا وہ خود انکی زبان سے سُنئیے :۔

اتیت النبی فقلت الست نبی اللہ قال بلی قلت السنا علی الحق و عدونا علی الباطل۔ قال بلی۔ قلت فلم نعطی الدنیۃ فی دیننا اذا قال انی رسول اللہ ولست اعصیہ وھو ناصری قلت او لیس کنت تحدثنا انا سنأتی البیت نطوف بہ قال بلی افاخبرت انا ناتیہ	میں رسول اللہ کے پاس آیا اور کہا کیا آپ رسول خدا نہیں ہیں۔ کہا کیوں نہیں۔ میں نے کہا کیا ہم حق پر اور ہمارا دشمن ناحق پر نہیں ہے۔ فرمایا ہاں ایسا ہی ہے۔ میں نے کہا پھر ہم اس ذلت کو کیوں برداشت کریں۔ فرمایا میں خدا کا رسول ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا اور وہی میرا مددگار ہے۔ میں نے کہا کیا آپ نے

[1] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۰

العام، قلت لا قال فانك
آتيه وتطوف به قال
فاتيت ابا بكر فقلت يا ابا بكر
أليس هذا نبي الله حقا قال
بلى، قلت ألسنا على الحق
وعدونا على الباطل قال
بلى قلت فلما نعطي الدنية في
ديننا اذاً قال ايها الرجل
انه رسول الله وليس يعصي
ربه وهو ناصره فاستمسك
لغرزه فوالله انه على الحق قلت
اوليس كان يحدثنا انا سنأتي
البيت فنطوف به قال بلى
افاخبرك انك تاتيه العام

ہم سے نہیں کہا تھا کہ ہم عنقریب خانہ کعبہ کی طرف جائیں گے اور اس کا طواف کریں گے۔ حضرت نے فرمایا کیوں نہیں۔ لیکن کیا میں نے اسی سال کے لئے کہا تھا۔ میں نے کہا کہ یہ تو نہیں کہا تھا۔ فرمایا پھر میں اب بھی وہی کہتا ہوں کہ میں خانہ کعبہ آؤں گا اور یہاں کا طواف کروں گا۔

فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں ابوبکر کے پاس گیا اور اُن سے بھی وہی گفتگو کی جو رسول اللہؐ سے کی تھی۔

قلت لا فقال فانك تاتيه فتطوف به [1]

طبری کی روایت میں آپکا پہلے حضرت ابوبکر کے پاس اور پھر آنحضرت کے پاس جاکر سوال وجواب کرنا تحریر ہے۔ تاریخ خمیس (جلد ۲ صفحہ ۲۴) میں ہے کہ حضرت عمر نے کہا کہ:-

واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ (جب سے میں اسلام لایا کبھی مجھے شک نہیں ہوا جیسا اُس دن ہوا) یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت عمر فرماتے تھے "کہ میں نے اس جسارت کے کفارہ میں بہت نمازیں پڑھیں اور روزے ادا کئے"۔

[1] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۷۹

الغرض صلح حدیبیہ کی وجہ سے صحابہ رسول اللہ سے اس قدر خفا ہو گئے تھے کہ جب صلح کے بعد رسول اللہ نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ "قوموا، فانحروا ثم احلقوا" (اٹھو قربانیاں کرو اور سر منڈواؤ) تو ان میں سے ایک بھی آمادہ نہ ہوا۔ یہاں تک کہ حضرت نے تین مرتبہ فرمایا اور جب اسکے بعد بھی کسی نے تعمیل حکم نہ کی تو حضرت کبیدہ خاطر ہو کر حضرت ام سلمہ کے خیمہ میں تشریف لے گئے [1]

جب رسول اللہ قربانی کرنے کے بعد سر منڈوا چکے تو لوگوں نے بادل ناخواستہ خود بھی قربانیاں شروع کیں"۔ بادل ناخواستہ" کا حال ابن عباس کی روایت ذیل سے معلوم ہو سکتا ہے

حلق رجال یوم الحدیبیة و قصر آخرون فقال رسول اللہ یرحم اللہ المحلقین، قالوا والمقصرین یا رسول اللہ قال یرحم المحلقین قالوا والمقصرین یا رسول اللہ قال یرحم المحلقین قالوا یا رسول اللہ والمقصرین قال والمقصرین قالوا یا رسول اللہ فلم ظاہرت الرحم للمحلقین دون المقصرین قال لانہم لم یشکوا۔

کچھ لوگوں نے حدیبیہ کے دن سر منڈوایا اور بعض نے بال ترشوائے۔ رسول اللہ نے فرمایا سر منڈوانے والوں پر خدا رحمت کرے۔ لوگوں نے کہا اور بال ترشوانے والوں پر۔ آپ نے پھر وہی کہا۔ آخر تیسری مرتبہ کہا کہ بال ترشوانے والوں پر بھی رحمت ہو۔ لوگوں نے پوچھا آپ نے اُن کو کیوں ترجیح دی۔ فرمایا کہ انھوں نے شک نہیں کیا تھا [2]

محمد ابن سعد کاتب واقدی کی روایت ہے کہ حضرت عثمان اور ابو قتادہ نے سر نہیں منڈوایا تھا [3]

سنہ ۵ھ میں خیبر کی مہم درپیش ہوئی۔ اتفاق سے جناب امیر کی آنکھیں آشوب کر آئی تھیں اور آپ مدینہ ہی میں رہ گئے تھے خیبر کے قلعوں میں جو سب سے زیادہ مضبوط

---

[1] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۸۰ [2] تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۵ [2] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۸۱ ۔ تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۲۵ [3] طبقات ابن سعد جلد ۲ مطبوعہ لیڈن صفحہ ۶۷

قلعہ تھا وہ دشمن کا مرکز تھا۔

تین روز تک متواتر حضرت ابو بکر اور حضرت عمر پرچم اسلام لے کر تشریف لے گئے لیکن ہر بار ناکام واپس آئے[۱]

تاریخ طبری میں لکھا ہے کہ آنحضرت نے علَم حضرت عمر کو دیا اور بہت سے لوگ آپ کے ساتھ گئے لیکن خیبر والوں سے مقابلہ ہوا تو آپ گے اور آپ کے ساتھیوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور رسالت مآب کے پاس واپس آئے اس حال میں کہ ساتھ والے اُن پر بزدلی کا الزام لگاتے تھے اور آپ ساتھیوں پر[۲]

جب یہ صورت دیکھی تو رسول اللہ نے فرمایا:۔

اما والله لاعطين الراية غداً رجلاً كراراً غير فرار يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله يفتح الله على يديه[۳]

کل میں علَم ایسے شخص کو دوں گا جو بھاگنے والا نہیں ہے جو اللہ اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور جسے اللہ اور رسول دوست رکھتے ہیں۔ خدا اسی کے ہاتھوں سے فتح کرائے گا۔

بعض روایات میں "کرار غیر فرار" کا ٹکڑا نہیں ہے (ملاحظہ ہو صحیح بخاری جلد ۳ ص ۳۳ و طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۸۰) لیکن اگر اس ٹکڑے کو علیحدہ کر دیا جائے تو معنی تشنہ رہتے ہیں۔ کیونکہ صورت حال یہ تھی کہ برابر تین دن سے اصحاب کی سرکردگی میں مہمیں بھیجی جا رہی تھیں اور برابر وہ لوگ شکست کھا کر واپس آ جاتے تھے اسلئے ظاہر ہے کہ رسول اللہ نے یہی کہا ہو گا کہ کل میں اس کو علَم دونگا جو بھاگ کر واپس نہ آئے

[۱] تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۵۳ ۔ السیرۃ النبویہ عبد الملک ابن ہشام برحاشیہ روض الانف جلد ۲ ص ۲۳۹ [۲] تاریخ طبری جلد ۳ ص ۹۳ [۳] تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۵۳ ۔ خصائص نسائی ص ۱۱ ۔ الریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۸۷ سیرۃ نبویہ عبد الملک ۔ روض الانف جلد ۲ ص ۲۳۹ ۔ استیعاب جلد ۲ ص ۴۷۳

ورنہ کہنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ علاوہ اسکے اس فقرہ کو علحدہ کر دینے سے یہ معنی پیدا ہوتے ہیں کہ "کل میں علم اسکو دونگا جو خدا اور رسول کو دوست رکھتا ہے اور جسے خدا ورسول دوست رکھتے ہیں"۔ گویا وہ لوگ جو اس سے قبل پرچم اسلام لے کر خیبر فتح کرنے گئے تھے وہ خدا اور رسول کے دوست نہ تھے اور اس صورت میں صحابہ کی اور زیادہ توہین ثابت ہوتی ہے۔

بہر حال کرار غیر فرار کا ٹکڑا ہو یا نہ ہو یہ امر مسلم ہے کہ رسول اللہ تین دن کی مسلسل ناکامیابیوں کی وجہ سے کسی اور شخص کا انتخاب کرنا چاہتے تھے۔ جس کا اظہار آپ نے ان الفاظ میں فرمایا اس خبر کے سُننے کے بعد صحابہ پر کیا اثر ہوا۔ اس کا حال بخاری کے الفاظ میں سُنئے:

فبات الناس یدوکون لیلتھم ایھم یعطاہ فلما اصبحوا الناس غدوا کلھم یرجوان یعطاہ۔	تمام رات لوگوں نے چہ میگوئیوں میں بسر کردی اور جب صبح ہوئی تو ہر شخص یہ تمنا لئے ہوئے تھا کہ علم اسے ملیگا۔

طبقات ابن سعد کاتب واقدی میں ہے کہ "حضرت عمر کا بیان ہے کہ مجھے کبھی اس دن سے پہلے سرداری کی خواہش نہیں ہوئی تھی مگر اس دن میں اونچا ہو کر دیکھ رہا تھا اور منتظر تھا کہ علم مجھ کو دیا جائیگا[۱]"

طبری نے لکھا ہے کہ "جب دوسرا دن ہوا تو حضرت ابوبکر اور حضرت عمر عَلَم کے واسطے گردنیں اونچی کر کے دیکھنے لگے"[۲] لیکن اُس دوسرے دن صبح کو کیا ہوا؟ حضرت نے علم کو جنبش دی اور فرمایا کون اسکو لیتا ہے۔ ایک صاحب آگے بڑھے اور کہا میں۔ آپنے فرمایا جاؤ جاؤ آگے بڑھو۔ قسم اس خدا کی جس نے محمد کے چہرہ کو عزت دی ہے میں یہ علم اس شخص کو دونگا جو بھاگنے والا نہیں ہے۔ اے علی اٹھو اور علم لو[۳]۔ چنانچہ آپ نے عَلَم لیا، قلعہ فتح کیا اور کامران و بامراد واپس آئے۔

---

[۱] طبقات جلد ۲ صفحہ ۸۰ [۲] تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۹۳ [۳] الریاض النضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸۷

۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوا اور مسلمان خوشیاں منا رہے تھے لیکن نبی اور علی دو ہستیاں ایسی تھیں جو اسلام کی خدمت سے غافل نہ تھیں۔ وہ اصنام جو خانہ کعبہ میں نصب کر دیئے گئے تھے۔ رسالت مآب اور علی ابن ابی طالب ان بتوں کو توڑنے کی خدمت انجام دے رہے تھے وہ بت جو سب سے بڑا تھا اور خانہ کعبہ کے اوپر نصب تھا اسکے توڑنے کے لئے رسول اللہ نے علی کو اپنے کاندھے پر بلند کیا اور آپ نے اسکو توڑ ڈالا۔

مورخ دیار بکری نے لکھا ہے کہ اس وقت رسول اللہ نے حضرت علی سے فرمایا۔

طوبیٰ لک تعمل الحق و طوبیٰ لی احمل للحق۔	(مبارک ہو تم کو کہ تم حق کے لئے کام کر رہے ہو اور خوشا حال میرا کہ میں حق کے لئے

تمہارا بار اُٹھائے ہوئے ہوں) [۱]

یہ باتیں بظاہر دیکھنے میں بہت معمولی حیثیت رکھتی ہیں لیکن انھیں جزئی واقعات سے عمومی تاریخ مرتب ہوتی ہے اور ایک مورخ انھیں واقعات سے صحیح نتیجہ تک پہونچنے میں کامیاب ہوتا ہے۔

اسی سال کے آخر میں حنین کی جنگ ہوئی۔ یہ رسول اللہ کی آخری لڑائی تھی۔ کیونکہ اسکے بعد جنگ تبوک ہوئی جس میں رسول اللہ بغیر جنگ کئے ہوئے واپس آ گئے تھے۔

اس لڑائی کی کیفیت بڑی حسرت خیز و حیرت انگیز ہے اور قرآن مجید میں اسکی کیفیت حسب ذیل الفاظ میں بیان کی گئی ہے:۔

و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔	اور حنین کے دن کو یاد کرو جب کہ تمہاری کثرت نے تمہیں مغرور بنا دیا تھا مگر اس نے تمہیں کوئی فائدہ نہ پہونچایا اور زمین تم پر تنگ ہو گئی اور تم نے جنگ میں پیٹھ دکھائی

صورت یہ ہوئی کہ دشمن کی فوج کمینگاہ میں تھی۔ اس نے اچانک حملہ کر دیا اور مسلمانوں کے

[۱] تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۹۵

قدم اُٹھ گئے۔ سوائے سات آٹھ آدمیوں کے کوئی باقی نہ رہا۔۱؎

ان آٹھ آدمیوں کی فہرست میں اکثر کتابوں میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا نام بھی نظر آتا ہے لیکن صحیح بخاری میں ابوقتادہ کی روایت یہ ہے کہ:۔

"وہ تمام مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی اور میں بھی اُنکے ساتھ بھاگا۔ ایک مرتبہ میں نے دیکھا کہ سب کے ساتھ حضرت عمر بھی ہیں۔ میں نے کہا یہ کیا ہوا۔ آپ نے فرمایا کیا بتاؤں خدا کی مرضی۔ پھر اسکے بعد رفتہ رفتہ لوگ رسالت مآب کے پاس واپس گئے"۲؎

محدث ابن شیبہ کا بیان ہے کہ:۔

"آنحضرت کے ساتھ صرف چار آدمی رہ گئے تھے۔ تین بنی ہاشم میں سے اور ایک اور جنکی تفصیل یہ ہے:۔ "علی و عباس آپ کے آگے تھے ابوسفیان لگام پکڑے ہوئے تھے اور ابن مسعود پہلو میں تھے اور کوئی شخص دشمنوں میں سے حضرت کی طرف نہ بڑھتا تھا مگر یہ کہ وہ قتل ہو جاتا تھا"۳؎

ان فرار کرنے والوں پر ایک عورت ام سلیم بنت ملحان نے انتہائی غم و غصہ کا اظہار کیا۔ وہ رسالت مآب کے پاس سے بالکل جدا نہیں ہوئی۔ حضرت نے پکار کر فرمایا "ام سلیم" اس نے کہا جی حضور۔ میرے ماں باپ آپ پر نثار۔ آخر آپ فرار ہونے والوں کو قتل کیوں نہیں کر ڈالتے؟" حضرت نے اسکے جواب میں صرف اس قدر ارشاد فرمایا کہ "یہ بھاگ جاتے ہیں تو کیا ہوا خدا کافی ہے"۴؎

استیعاب میں حضرت عباس کے حالات میں لکھا ہے کہ:۔

"حنین کے دن آنحضرت کے پاس سے سب فرار کر گئے سوا عباس، عمر، علی اور ابوسفیان کے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ سات آدمی حضرت ہی کے گھر کے رہ گئے تھے۔ ابن اسحاق نے کہا ہے کہ یہ سات آدمی علی، عباس، فضل، ابن عباس، ابوسفیان، جعفر بن ابی سفیان، ربیعہ بن حارث اور اسامہ بن زید ہیں اور انکے علاوہ آٹھویں ایمن ابن عبید۔

۱؎ الروض الانف سہیلی جلد ۲ صفحہ ۲۹۰ ۲؎ مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ ۳؎ صحیح بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۱۴ ۴؎ مواہب لدنیہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۳ ۵؎ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۲۹

بعض مورخوں نے ابوسفیان کے بجائے حضرت عمر کا نام لیا ہے لیکن حقیقت یہ ہو کہ ابوسفیان تو یقیناً حضرت کے ساتھ تھے۔ حضرت عمر کے متعلق بے شک اختلاف ہے۔ [۱]

اس جنگ سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ نے طائف کا محاصرہ کیا کیونکہ مشرکین وہاں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ اسی دوران میں ایک دن رسول اللہؐ نے جناب امیر کو بلا کر بڑی دیر تک راز کی گفتگو کی۔ اس پر لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور کہا :۔ لقد طال نجواہ مع ابن عمہ (آج تو رسول اللہ اپنے ابن عم سے بڑے طولانی مشورے کر رہے ہیں) رسول اللہ نے سُنا تو فرمایا۔ "ما انتجیتہ ولٰکن اللّٰہ انتجاہ" (میں نے علی کو مشورے کے لئے منتخب نہیں کیا ہے بلکہ خدا نے کیا ہے) اس روایت کو حافظ ترمذی نے درج کیا ہے اور حسن صحیح قرار دیا ہے۔ [۲]

سنہ ۹ھ میں غزوہ تبوک واقع ہوا۔ رسول اللہ کی زندگی کو صرف ایک سال باقی ہے۔ اور یہ غزوہ آخری غزوہ ہے۔ گرمی کا زمانہ ہے شدت کی لُو چل رہی ہے اور رسالت مآب نے اپنے ساتھ چلنے کے لئے تمام اصحاب کو حکم دیا ہے لیکن حضرت علی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ تم مدینہ میں قیام کرو اور میری جگہ رہو۔ حضرت علی کبیدہ خاطر ہو کر کہتے ہیں :۔ اتخلفنی فی الصبیان والنساء (کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں چھوڑ جائیں گے)

حضرت جواب دیتے ہیں :۔ اما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ تم مجھ سے وہی نسبت رکھو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی۔ سوا اس کے کہ میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے) [۳]

اگر آخری جملہ "لا نبی بعدی" کا نہ ہوتا تو ہارون کی منزلت کو صرف وقتی جانشینی اور عارضی خلافت تک محدود سمجھا جا سکتا تھا لیکن اس جملہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زندگی میں اور بعد وفات دونوں حالتوں میں جناب امیر کو اسی جانشینی و خلافت کا درجہ حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ کے بعد حاصل ہوا۔

---

[۱] استیعاب جلد ۲ ص ۴۹۵ [۲] الریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۷۰ [۳] صحیح بخاری جلد ۳ ص ۵۴ ، تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۱۳۴ ، تاریخ طبری جلد ۳ ص ۱۴۲ ، الریاض النضرہ جلد ۲ ص ۱۶۲ ، ۱۶۷ ، سیرۃ ابن ہشام جلد ۲ ص ۵۱۹ ، سیرۃ حلبیہ جلد ۳ ص ۱۴۳ ، تاریخ الخلفاء سیوطی

دنیا کو معلوم ہے کہ ہارون موسیٰ کے شریک کار، معاون اور وزیر و جانشین تھے اور اگر انکی زندگی موسیٰ کے بعد باقی رہتی تو خلافت کا حق سوائے اُنکے کسی کو نہ پہونچتا۔ بالکل اسی طرح جناب امیر کیلئے ثابت ہوتا ہے کہ وہ حیات و ممات ہر حالت میں رسول اللہ کے جانشین تھے اور اگر ہارون سے کوئی فرق تھا تو صرف یہ کہ ہارون نبی تھے اور رسول اللہ کے بعد سلسلۂ نبوت ختم ہو گیا۔ لیکن اگر یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تو نبی بھی سوائے حضرت علی کے دوسرا نہ ہوتا۔

اسی سال کا واقعہ ہے کہ سورہ برات کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جن کا اعلان مکہ معظمہ میں حج کے موقع پر ہونا تھا۔ اس واقعہ کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ نسائی کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابوبکر کو ان آیات کے ساتھ روانہ کر دیا تھا اس کے بعد انکو واپس بلا کر یہ خدمت حضرت علی کے سپرد کی۔ دوسری روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انکو واپس نہیں بلایا بلکہ خود حضرت علی کو روانہ کیا کہ حضرت ابوبکر سے وہ آیات لیکر خود اس خدمت کو انجام دیں۔ بہر حال ان تمام روایات میں رسول اللہ کا یہ قول قدر مشترک کے طور پر پایا جاتا ہے علی منی وانا منہ ولا یودی عنی الا انا و علی یعنی علی مجھ سے ہے اور میں علی سے اور اپنی ترجمانی یا میں خود کر سکتا ہوں یا علی۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ اس طرح پائے جاتے ہیں انی امرت ان ابلغہ انا او رجل من اھلبیتی (مجھے حکم دیا گیا ہے کہ یا میں خود اس کو پہونچاؤں یا ایسا شخص جو میرے اہلبیت میں داخل ہو[1])

بہر حال حضرت ابوبکر روانہ ہو چکے تھے یا نہیں وہ واپس بلائے گئے یا نہیں۔ یہ مسلم ہے کہ آیات قرآنی کی تبلیغ کے لیے حضرت نے جناب امیر کو منتخب کیا اور یہ کہکر کہ اس خدمت تبلیغ کا اہل میں ہوں یا پھر وہ جو میرے اہلبیت میں داخل ہو۔

سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ نے جناب امیر کو یمن کی طرف تبلیغ کے لئے روانہ کیا اور اس شان سے کہ عقد لواءً و عممہ بیدہ و قال امض ولا تلتفت فقال علی یا رسول اللہ ما اصنع قال اذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم حتی یقاتلوک ...

[1] خصائص نسائی صہ ۱۲-۱۴۔ روض الانف جلد ۲ صہ ۳۲۸۔ طبری جلد ۳ صہ ۱۵۴
تاریخ خمیس جلد ۲ صہ ۱۵۷۔ ریاض نضرہ صہ ۱۷۴

حضرت۔ نے اُن کے لئے عَلَم طیار کیا خود اپنے ہاتھ سے اُن کے سر پر عمامہ باندھا اور عمامہ کا ایک سرا آگے کی طرف قریب ایک ہاتھ کے سینہ پر ڈال دیا اور دوسرا سرا پشت کی طرف ایک بالشت لٹکا دیا ۔[۱]

اس مہم کی سرکردگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام قبیلۂ ہمدان اور اکثر اہل یمن ایک ہی دن میں آپ کے ہاتھ پر مشرف اسلام ہوئے اور آپ مدینہ واپس لوٹے۔ اس مہم پر پہلے خالد ابن ولید کی نامزدگی ہو چکی تھی اور چونکہ حضرت علی کے بھیجے جانے سے وہ معزول ہوئے اس لئے بعض حضرات کو یہ بات بہت ناگوار ہوئی [۲] اور اس کا انتقام یوں لیا گیا کہ چند لوگ جناب علی کی یہ شکایت لیکر مدینہ پہونچے کہ آپ نے اموال خمس میں سے ایک کنیز پر بغیر اجازت رسول تصرف کر لیا۔ اس کا جواب رسول اللہ نے دیا ہے وہ کتب احادیث میں اب تک محفوظ ہے۔ ملاحظہ ہو۔

عمران حصین کی روایت ہے کہ اقبل رسول اللہ والغضب یعرف فی وجھہ فقال ما تریدون من علی ثلاثاً ان علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی (حضرت مخاطب ہوئے مگر اس طرح کہ غصہ آپ کے چہرہ سے نمایاں تھا اور کہا تم لوگ علی سے کیا چاہتے ہو۔ علی مجھ سے ہے، میں علی سے ہوں۔ اور وہ ہر مومن کا میرے بعد ولی ہے) [۳]

بریدہ کی روایت میں ہے: لما اتیت النبی دفعت الکتاب فقرأہ علیہ فرأیت الغضب فی وجھہ فقال لا تقع فی علی فانہ منی وانا منہ فھو ولیکم بعدی (یعنی جب میں آیا اور حضرت کو خط دیا تو آپ نے پڑھنا شروع کیا اور چہرہ پر غصہ کے آثار نمایاں ہوتے جا رہے تھے۔ آپ نے فرمایا علی کی برائی نہ کرو۔ وہ مجھ سے ہے۔ میں اس سے ہوں اور وہ تمہارا حاکم ہے میرے بعد [۴]

---

[۱] تاریخ خمیس جلد ۲ صفحہ ۱۴۱ [۲] بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۱۴ [۳] ریاض نضرہ جلد ۲ صفحہ ۱۷۱۔ خصائص نسائی صفحہ ۲۳، ۷۵ [۴] استیعاب مطبوعہ حیدرآباد صفحہ ۴۱

علامہ ابن حجر مکی شرح قصیدہ ہمزیہ[۱] میں لکھتے ہیں:۔ ما صح عنہ صلے اللہ علیہ و سلم وھو اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ ان علیا منی وانا منہ وھو ولی کل مومن بعدی (صحیح اسناد سے ثابت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا خداوندا دوست رکھ اُسے جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو جو علی کو دشمن رکھے اور یہ کہ علی مجھ سے ہے، میں علی سے ہوں اور وہ ولی ہے ہر مومن کا میرے بعد)

اسی سنہ ۱۰ھ کے آخر میں رسالت مآب نے آخری حج کیا ہے جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جناب رسالت مآب کی زندگی کا آخری زمانہ ہے اور صرف چند ماہ آپکی رحلت کو باقی ہیں۔

جناب امیر زکوۃ و خمس لینے یمن چلے گئے تھے جب رسول اللہ حج کے لئے روانہ ہوئے تو آپ وہاں سے واپس آکر رسول اللہ سے[۲] مل گئے تھے۔ اس موقع پر بھی جناب امیر کی دیانت و امانت سے فوج والوں کو شکایت پیدا ہو گئی تھی۔ واقعہ یہ ہے کہ جب آپ یمن سے واپس ہوئے اور مکہ معظمہ کے قریب پہونچے تو آپ فوج سے علیحدہ ہو کر پہلے پہونچ گئے اور صحابہ میں سے ایک شخص کو فوج کا سردار بنا آئے۔ اس قائم مقام سردار نے تمام اسباب و اموال میں سے جو یمن سے آیا تھا لباس فاخرہ نکلوا کر فوج کے تمام سپاہیوں کو پہنوا دیا جب فوج کا داخلہ ہونے لگا تو حضرت علی معائنہ کے لئے گئے اور یہ دیکھکر بہت برہم ہوئے اور تمام لباس اُتروا کر اموال میں پھر شامل کر دیا۔ یہ بات بھی لوگوں کو بہت ناگوار ہوئی اور رسول اللہ سے شکایت کی گئی تو آپ نے ایک عام تقریر کی اور فرمایا لا تشکوا علیا فو اللہ انہ لاخشن فی ذات اللہ من ان یشکی (یعنی علی کی شکایت نہ کرو۔ خدا کی قسم وہ اللہ کی مرضی کے لئے اتنا بے لوث ہے کہ اسکی شکایت کا موقعہ ہی نہیں ہے[۳]) یہ حج سے پہلے کا واقعہ ہے۔ اب وہ وقت ہے کہ رسول اللہ حج سے فارغ ہو کر مدینہ

---

[۱] کتاب مذکور مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳ [۲] سیرۃ ابن ہشام برحاشیہ روض الانف جلد ۲ صفحہ ۳۵۱۔ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۱۔ استیعاب مطبوعہ حیدر آباد صفحہ ۴۵۷۔ صواعق محرقہ مطبوعہ مصر صفحہ ۷۶

واپس تشریف لا رہے ہیں۔ حضرت چلتے چلتے غدیر خم تک پہونچتے ہیں۔ پورا قافلہ روک دیا جاتا ہے اور اعلان ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلعم تقریر فرمائیں گے۔ ہزاروں آدمی خطبۂ نبوی سننے کے لئے مجتمع ہیں اور آپ منبر پر تشریف لیجا کر ایک مبسوط خطبہ کے ذریعہ سے اپنے قرب وفات کی پیشینگوئی کرتے ہیں۔ اپنی خدمات ہدایت کا ذکر فرماتے ہیں۔ لوگوں سے اصول اسلام و ایمان کی گواہی لیتے ہیں اور اسکے بعد وہ کچھ فرماتے ہیں جس سے انکار کی گنجائش نہیں اور جس نے ہمیشہ کے لئے آپکی جانشینی کے مسئلہ کو طے فرما دیا۔

اس سلسلہ میں حافظ طبرانی کی روایت جو بسند صحیح منقول ہے حسب ذیل ہے:۔

ایھا الناس انی یوشک ان ادعی فاجیب وانی مسئول وانکم مسئولون فماذا انتم قائلون (مسلمانوں، عنقریب مجھے بلا لیا جائیگا اور میں تم سے رخصت ہو جاؤں گا۔ میں بھی جوابدہ ہوں اور تم بھی جوابدہ ہو۔ اسلئے بتاؤ کہ جب یہ وقت آئیگا تو تم کیا کہوگے) فقال الیس تشہدون ان لا الہ الا اللہ وان محمداً عبدہ ورسولہ وان جنتہ حق وان نارہ حق وان البعث حق بعد الموت وان الساعۃ اٰتیۃ لا ریب فیہا وان اللہ یبعث من فی القبور قالوا بلیٰ نشہد بذلک قال اللھم اشہد۔ ثم قال یا ایھا الناس ان اللہ مولای وانا مولی المومنین وانا اولیٰ بھم من انفسھم فمن کنت مولاہ فھذا مولاہ یعنی علیاً اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ (حضرت نے فرمایا کیا تم لوگ اس بات کی گواہی نہ دوگے کہ سوائے اللہ کے کوئی خدا نہیں اور یہ کہ محمد خدا کا بندہ اور رسول ہے اور جنت حق ہے۔ جہنم حق ہے اور موت حق ہے اور زندگی بعد موت کے حق ہے اور قیامت آنے والی ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں اور خدا مردوں کو زندہ کریگا سب نے کہا ہاں ہم اسکی گواہی دیتے ہیں۔ حضرت نے فرمایا خداوندا گواہ رہنا۔ پھر فرمایا اے لوگو خدا میرا مولا ہے اور میں تمام مومنین کا مولا ہوں اور اُن کے نفسوں کا خود اُن سے زیادہ حقدار ہوں۔ اسکے بعد جس کا میں مولا ہوں اُس کا یہ مولا ہے (علی کیطرف اشارہ کیا)۔

خداوندا دوست رکھ اسکو جو علی کو دوست رکھے اور دشمن رکھ اسکو جو علی کو دشمن رکھے)
ثم قال ایھا الناس انی فرطکم وانتم واردون علی الحوض وانی اسئلکم
حین تردون علی عن الثقلین فانظرونی کیف تخلفونی فیھما الثقل
الاکبر کتاب اللہ سبب طرفہ بید اللہ وطرفہ بایدیکم فاستمسکوا
بہ لا تضلوا ولا تبدلوا وعترتی اھل بیتی فانہ قد نبانی اللطیف الخبیر
انھما لن ینقضیا حتی یردا علی الحوض (پھر حضرت نے فرمایا اے لوگو میں تمہارے
آگے جاتا ہوں اور تم حوض کوثر پر میرے پاس پہونچو گے تو میں تم سے دریافت کروں گا
کہ تم نے میرے بعد ثقلین کے ساتھ کیا سلوک کیا ۔ ایک ان میں سے کتاب خدا ہے
جو ایک زنجیر ہے جس کا ایک سرا خدا سے متصل اور دوسرا تمہارے پاس ہے۔
اسکو پکڑے رہو، گمراہ نہ ہو اور ادل بدل نہ کرو۔ دوسرے میری عترت، میرے اہلبیت
خدا نے مجھے بتایا ہے کہ یہ دونوں فنا نہ ہوں گے جب تک میرے پاس حوض کوثر پر وارد نہ ہوں)
علامہ ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ (مطبوعہ مصر صہ ۲۵ - ۲۶) میں اس روایت کو درج
کیا ہے اور لکھا ہے کہ حضرت نے تین مرتبہ صحابہ سے دریافت کیا الست اولی بکم
من انفسکم (کیا میں تم پر تم سے زیادہ اختیار نہیں رکھتا) سب نے کہا بے شک،
بے شک، بے شک اور پھر اسکے بعد رسول اللہ نے حضرت علی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں
لیکر فرمایا۔
من کنت مولاہ فعلی مولاہ اللھم وال من والاہ وعاد من عاداہ و
انصر من نصرہ واخذل من خذلہ وادر الحق حیث دار (یعنی جس کا
میں مولیٰ ہوں علی اُس کا مولیٰ ہے ۔ خداوندا دوست رکھ اسکو جو اسے دوست رکھے
اور دشمن رکھ اسے جو اسے دشمن رکھے ۔ مدد کر اسکی جو اسکی مدد کرے ۔ ساتھ چھوڑ
اس کا جو اس کا ساتھ چھوڑے اور حق کو اس طرف گردش دے جس طرف وہ گردش کرے)
اسکے بعد اس روایت پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

یہ حدیث صحیح ہے اسمیں کوئی شک نہیں اور ترمذی، نسائی، احمد بن حنبل وغیرہ ایک جماعت نے اسکی تخریج کی ہے اور اسکے طُرق واسناد بہت زیادہ ہیں چنانچہ ۱۶ صحابیوں نے اسکی روایت کی ہے اور احمد بن حنبل کی ایک روایت میں ہے کہ ۳۰ صحابیوں نے اسکے سُننے کی گواہی دی ہے اور اسکے اسناد اکثر صحیح وحسن ہیں" [۱]

استیعاب ابن عبدالبر - اسدالغابہ ابن اثیر جزری میں متعدد مقام پر یہ روایت مذکور ہے۔ حافظ محب طبری نے اس روایت کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ :-

"اس واقعہ کے بعد حضرت عمر جناب علی سے ملے اور کہا کہ مبارک ہو آپ کو کہ آپ ہو گئے ہر مومن و مومنہ کے مولا"

اب رسول کی زندگی صرف دو ماہ اور چند دن کی باقی رہ گئی ہے اور مسلمانوں کی شب یلدا جب ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دے گا نزدیک ہے۔ آیئے واقعات کا ذرا جائزہ لیں شاید رسول اللہ کے بیانات سے کوئی شمع ہدایت ایسی مل جائے جو تجلیات نبوی کے اوجھل ہو جانے کے بعد ہمارے لئے دلیل راہ بن سکے۔

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شروع سے اخیر تک ہر موقع پر رسول کے ساتھ مواسات وہمدردی میں پیش پیش رہنے والا۔ کسی موقع پر قدم میں تزلزل نہ آنے دینے والا اور سخت سے سخت وقت میں اطاعۃ رسول سے سر مو انحراف نہ کرنے والا کون تھا؟ آپ نے یہ بھی دیکھا ہوگا کہ جناب امیر کی اس اطاعۃ وجان نثاری کی بنا پر رسول کی بارگاہ میں جو رسوخ انکو حاصل تھا وہ دوسرے صحابہ کو گراں گزرتا تھا اور وہ اپنے جذبات سے مجبور رہو کر شکوہ وشکایت بھی کر گزرتے تھے۔

مسجد نبوی میں صحابہ کے مکانوں کے جو دروازے کھلتے تھے اُن کے بند کر دیئے جانے کا واقعہ۔ طائف میں رسول اور علی کی رازدارانہ گفتگو کا حال، بریدہ کا واقعہ اور حجۃ الوداع

---

[۱] صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص ۲۵ [۲] مطبوعہ حیدر آباد جلد ۲ ص ۴۶۰ [۳] جلد ۵ ص ۲۰۵، جلد ۳ ص ۹۲، ۲۷۴، ۳۰۷ و ۳۲۱ [۴] ریاض نضرہ جلد ۲ ص ۱۶۹

زبردست رعایت

نمبر ۱ جو شخص عہ/ فیس ممبری دائرہ تحقیق ادا کرے اوس کو سال بھر تک ہر ماہ ۱۶ صفحہ کا رسالہ مفت حاضر خدمت ہوتا رہے گا۔

نمبر ۲ تمام ممبران دائرہ تحقیق کو کل رسالے وکتابیں جو قبل شایع ہوئی تھیں ۴/ روپیہ فی سیکڑہ کمیشن پر دستیاب ہوسکتی ہیں۔

نمبر ۳ جو حضرات دس جدید ممبر دائرہ تحقیق کو عطا فرمائینگے اونکو سال بھر تک الشمس مفت دیا جائیگا

نمبر ۴ کتب سابقہ حسب ذیل ہیں :-

نمبر شمار	نام کتاب	اصلی قیمت	رعایتی قیمت	محصول ڈاک
۱	اعمال عاشورہ	۶/	۴/ ع	۰/
۲	ترجمہ احقاق الحق ہر سہ حصہ	عہ	۱۰/	۲/
۳	تحقیق صوم عاشورہ	۸/	۳/	—/
۴	الوصی	۴/	۶/	۰/
۵	یا الولی	۸/	۱۰/	۲/
۶	تقیہ	۱۴/	۶/	۰/
۷	تصویر بنی امیہ	۹/	۲/	—/
۸	جواب رد الرفضہ	۳/	۱۰/	—/
۹	جواب شرر	۲/ ع	عہ ۸/	۲/
۱۰	انجمرہ	۴/	۳/	—/
۱۱	خون ثقلین	۴/	۳/	۰/
۱۲	رسالہ رد الوسواس	۸/	۶/	۰/
۱۳	رہبر نجات	۲/ ع	۲/	—/
۱۴	رد الملاحدہ	۴/	۱۱ عہ	۱/

نمبر	نام کتاب	اصلی قیمت	رعایتی قیمت	محصول ڈاک
۱۵	صاحب العصر والزمان	عہ؍	۱۲؍	۱؍
۱۶	عقل و تہذیب المحدیث	۱۲؍	۹؍	۰؍
۱۷	فتح الرحمان	۴؍	۳؍	—؍
۱۸	فتح مبین	۴؍	۳؍	—؍
۱۹	فتنہ شبلی	۸؍	۶؍	۰؍
۲۰	القول الکریم	عہ؍	۱۲؍	۱؍
۲۱	کشف الظلام	۹؍	۶۰؍	۰؍
۲۲	کشف الظلمات ہر حصہ	ے ۸؍	ع ۱۰؍	۲؍
۲۳	مناظرہ مامون الرشید	۴؍	۳؍	—
۲۴	مقدمہ نہج البلاغۃ	۱۲؍	۹؍	۰؍
۲۵	مناظرہ احمدیہ	ع؍	عہ ۸؍	۲؍
۲۶	ترجمہ نہج البلاغۃ ناقص تا صفحہ ۳۶۰	ع؍	عہ ۸؍	۲؍
۲۷	رسالہ جلباب	۱۲؍	۹؍	۰؍
۲۸	عوائد نظریہ	۹؍	۶۰؍	۰؍
۲۹	الآل والاصحاب	عہ؍	۱۲؍	۱؍
۳۰	آل و اصحاب معروف بہ مشعل ہدایت	ع؍	عہ ۸؍	۲؍
۳۱	وراثت الانبیاء	۴؍	۳؍	—
۳۲	دی قران اینڈ دی سکسسرز آف محمد	۴؍	۳؍	—
۳۳	تقیہ انگریزی	۴؍	۳؍	—
۳۴	شفاء یوم جزا	۶؍	۴؍	۰؍

مدیر دائرہ تحقیق کھجوا (بہار)

۱۹

(مطبع اصلاح کھجوا میں سید محمد جعفر نے چھاپکر شائع کیا)

سے قبل یمن کی واپسی کا واقعہ آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا۔ اور رسالت مآب کی طرف سے جناب امیر کے خلاف اعتراض یا شکوہ کا جو جواب ملتا تھا وہ بھی آپ نے پڑھ لیا ہوگا۔ ظاہر ہے کہ نفسیات کے لحاظ سے یہ تمام واقعات اور زیادہ صحابہ کی برہمی کا باعث ہوئے ہوں گے۔ چنانچہ رسالت مآب کو احساس تھا کہ جب میری زندگی میں یہ ہو رہا ہے تو بعد میں خدا جانے کیا ہو۔ اُحد میں صرف اتنی سی افواہ پر کہ رسول اللہ قتل ہو گئے سب کے قدم میدان سے اُٹھ گئے اور زبانوں پر یہی تھا کہ پیغمبر نہ رہے تو اسلام کیسا اور لڑائی کیسی۔ انس بن نضر نے لوگوں سے پوچھا "تم ہاتھ پر ہاتھ دھرے کیوں بیٹھے ہو"۔ جواب ملا کہ :۔ "رسول تو ہیں نہیں پھر ہم کیا کریں"۔ انس نے کہا "رسول نہیں تو نہ سہی تم ان کے دین پر تو قائم ہو اٹھو اور جہاد کرو"۔ مگر بیٹھ رہنے والے بیٹھے ہی رہے اور انس نے جان دیدی۔ قرآن مجید کی جو آیتیں اس موقع سے تعلق رکھتی ہیں غور سے پڑھنے کے قابل ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے :۔

ما محمد الا رسول اللہ قد خلت من قبلہ الرسل افئن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا

(محمد نہیں ہیں مگر ایک رسول جن کے پہلے بہت رسول گزر چکے تو کیا وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو کیا تم اسلام سے پلٹ جاؤ گے اور جو شخص ایسا کریگا تو خدا کو اس سے کوئی نقصان نہیں پہونچ سکتا)

اسکے علاوہ رسالت مآب نے اپنی بے اطمینانی کا جن الفاظ میں اظہار کیا وہ بھی گوش گزار ہو چکے ہیں۔ جب آپ نے شہداء احد کے متعلق فرمایا کہ میں ان کا گواہ ہوں تو حضرت ابوبکر نے کہا کیا ہم نے کبھی انکی طرح جہاد نہیں کیا۔ یہ سنکر رسول اللہ نے فرمایا "ہاں مگر کسے خبر ہے تم لوگ میرے بعد کیا کرو"۔

دوسرے موقعوں پر حضرت نے اس خطرہ کے وقوع کی صریح پیشین گوئی کی ہے۔ بخاری کی حدیث ہے کہ :۔

"آنحضرت نے فرمایا میں تم سے پہلے حوض کوثر پر پہونچوں گا۔ کچھ لوگ تم میں سے میری طرف لائے جائیں گے اور جب میں چاہوں گا کہ انھیں اپنے قریب بلاؤں تو وہ مجھ سے جدا کر دیئے جائیں گے۔ میں کہوں گا خداوندا یہ تو میرے اصحاب ہیں۔ ارشاد ہوگا تمہیں معلوم نہیں انھوں نے تمہارے بعد کیا گل کھلائے" [1]

"آنحضرت کو جن چیزوں کے متعلق یہ خطرہ تھا ان کو صاف طور پر حجۃ الوداع کے خطبہ میں ظاہر فرمادیا (جسکی اصل عبارت پہلے درج ہوچکی ہے) اس میں آنحضرتؐ نے اس تمہید کے ساتھ کہ (انا فرطکم علی الحوض (میں حوض کوثر پر تمہارا پیشرو ہوں) یہ فرمایا ہے کہ میں تم میں دو چیزیں بہت گرانقدر چھوڑے جاتا ہوں۔ ایک کتاب خدا دوسرے اپنی عترت واہلبیت۔ دیکھوں میرے بعد تم ان کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہو۔" اس طرح حضرت نے اس پہلی صحبت کے موقع پر جب "انذر عشیرتک الاقربین" کا حکم نافذ ہونے پر کی گئی تھی۔ علی کی وزارت وصایت وخلافت کا اعلان فرمادیا تھا پھر اسکے بعد مختلف طرح سے علی کے کمالات کو روشن کیا۔ علمی حیثیت سے "انا مدینۃ العلم وعلی بابھا" فرماکر یہ ثابت کیا کہ میرے علوم اگر دستیاب ہوسکتے ہیں تو صرف علی کے ذریعہ سے۔ "اقضاکم علی" کہ کر فصل مقدمات کا بہترین ماہر بتایا۔ "علی منی" کہ کر انتہائی یگانگت و وابستگی کا اظہار فرمایا اور سب سے آخر میں غدیر خم کے میدان میں "من کنت مولاہ فعلی مولاہ" کہ کر علی کی حکومت ولایت وخلافت کا صریح اعلان فرمادیا۔ یہاں تک کہ صحابہ نے علی کو مبارکباد بھی دی۔ لیکن کیا رسول اللہ کو اطمینان ہوگیا تھا۔ ہرگز نہیں۔ واقعات بتاتے ہیں کہ آپ مطمئن نہ ہوئے تھے۔ حضرت اس خطبہ کے بعد غدیر خم سے روانہ ہوکر مدینہ پہونچے۔ محرم کے مہینہ بھر آپ اچھے رہے۔ صفر میں بیمار پڑے اور اُس بیماری میں مبتلا ہوئے جو آپ کے لیے مرض الموت ثابت ہوئی۔ حضرت نے اس بیماری کی حالت میں تقریر کی اور فرمایا:

[1] بخاری جلد ۴ ص ۱۳۶

ایھا الناس یوشک ان اقبض قبضاً سریعاً فینطلق بی و قد قدمت الیکم القول معذرۃ الیکم الا انی مخلف فیکم کتاب ربی و عترتی و اھل بیتی (اے لوگو بہت قریب ہے وہ وقت کہ میں دنیا سے اُٹھ جاؤں اور تم سے رخصت ہوں۔ میں نے اس سے قبل تم سے سب کچھ کہہ دیا ہے اور حجت تمام کردی ہے۔ پس تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ میں تمہارے درمیان خدا کی کتاب اور اپنی عترت اہلبیت کو چھوڑے جا رہا ہوں)

یہ کہہ کر حضرت نے جناب امیر کا ہاتھ پکڑا اور اُسے بلند کر کے فرمایا:۔

ھذا علی مع القرآن والقرآن مع علی لا یفترقان حتی یردا علی الحوض فاسئلھما ما خلفت فیھما (علی قرآن کے ساتھ ہے اور قرآن علی کے ساتھ یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر پہونچیں۔ میں ان سے دریافت کروں گا کہ تم نے ان سے میرے بعد کیا سلوک کیا) [1]

اب مرض کی شدت اور زیادہ بڑھ گئی۔ حضرت نے اسی عالم میں ایک علم اسامہ بن زید کے لئے طیار کیا اور تمام بڑے بڑے صحابہ کو اسامہ کی ماتحتی میں جنگ کے لیے روانگی کا حکم دیا۔ تاریخیں متفق ہیں کہ حضرت ابوبکر و حضرت عمر بھی اسامہ کے ساتھ جانے پر مامور ہوئے تھے۔

لوگوں کو بڑا ناگوار گزرا کہ اتنے بڑے بڑے صحابہ پر اسامہ بن زید کو حاکم بنا دیا۔ حضرت کو معلوم ہوا تو آپ کو بہت غصہ آیا اور اسی حالت میں چادر اوڑھے۔ سر پر رومال باندھے باہر آ گئے اور منبر پر جا کر فرمایا:۔

"تم لوگ اسامہ کی امارت پر معترض ہو۔ یہ نئی بات نہیں ہے۔ اس سے پہلے تم اس کے باپ (زید بن حارثہ) کی امارت پر بھی اعتراض کر چکے ہو۔ بخدا وہ امارت کے لائق تھا اور یہ اس کا بیٹا بھی امارت کے لائق ہے [2]

[1] صواعق محرقہ مطبوعہ مصر ص۷۵ [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ ح۲ ص۱۳۶ ۔ مواہب لدنیہ جلد ۱ ص۱۷۹ ۔ تاریخ خمیس جلد ۲ ص۱۷۱

بے شک ان اشخاص میں جو ساتھ جانے پر معمور تھے حضرت علی کا نام نظر نہیں آتا۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے مدارج النبوۃ میں تصریح کر دی ہے کہ:۔

"حکم عالی چناں صادر شد کہ از اعیان مہاجر و انصار مثل ابوبکر صدیق و عمر فاروق و عثمان ذی النورین و سعد بن ابی وقاص و ابو عبیدہ بن الجراح و غیرہم الا علی مرتضی را کہ ہمراہ نہ کرد دراں لشکر ہمراہ اسامہ باشند"

واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ کو اپنی زندگی کے آخر ہونے کا یقین تھا وہ اپنی موت کی اطلاع رکھتے تھے اور اس کے لئے طیاریاں کر رہے تھے اس موقع پر حضرت کا خاص طور سے لشکر اسامہ کی روانگی کا حکم دینا اسی لئے تھا کہ وہ ان تمام لوگوں کے وجود سے مدینہ کو خالی کر دینا چاہتے تھے۔ اگر آپ کا منشا کسی حیثیت سے یہ ہوتا کہ آپ کے بعد اُمورِ خلق کی ذمہ داری ان اشخاص میں سے کسی کے سپرد ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اپنے وقتِ آخر میں ان لوگوں کو لشکر اسامہ کے ساتھ جانے کی تاکید نہ فرماتے۔ حضرت کو اس امر میں اتنا اہتمام تھا کہ شدتِ مرض میں جب آنکھ کھلتی تھی تو بار بار یہی تاکید فرماتے تھے کہ لشکر فوراً روانہ ہو جائے۔ لوگ رسولخدا کے اس منشاء کو سمجھتے تھے اور اسی لئے تعمیل حکم میں پس و پیش ہو رہا تھا۔ لیکن اُسامہ کا لشکر نہ جانا تھا نہ گیا اور گیا اُس وقت جب رسول اللہؐ کی وفات ہو چکی اور خلافت کا مسئلہ تکمیل کو پہونچ گیا۔

اب رسالت مآب کا مرض انتہائی شدت تک پہونچ گیا ہے مگر اب بھی اگر کوئی خیال آپ کو ہے تو صرف وہی ایک۔ کوئی اندیشہ ہے تو وہی ایک۔ ایک بار غش سے آنکھ کھلتی ہے تو فرماتے ہیں "ذرا دوات قلم منگواؤ میں تمہارے لئے ایک نوشتہ چھوڑ جاؤں تاکہ میرے بعد تم گمراہی میں نہ مبتلا ہو" مگر حضرت عمر نے انکار کر دیا فرمایا کہ "پیغمبر پر مرض کا غلبہ ہے اور ہم کو کتاب خدا کافی ہے"۔

صحیح بخاری میں متعدد روایتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک روایت ابن عباس سے ہے کہ:۔ "ابن عباس کہتے تھے۔ ہائے پنجشنبہ کا دن۔ تم جانتے ہو کہ پنجشنبہ کے دن کیا ہوا۔ رسالت مآب پر مرض کی شدت ہوئی۔ حضرت نے فرمایا لاؤ میں تمہیں ایک نوشتہ تحریر کردوں تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ لوگوں نے اختلاف شروع کیا اور کہا کہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ ذرا پھر پوچھو۔ لوگ آپ کے قریب گئے کہ پھر آپ سے دریافت کریں۔ حضرت نے فرمایا "جاؤ، چھوڑو مجھ کو میں جس حال میں ہوں اسی حال میں رہنے دو"[۱] دوسری روایت یہ ہے کہ "جب رسالت مآب کا آخر وقت تھا اس وقت گھر میں بہت سے آدمی موجود تھے۔ حضرت نے فرمایا آؤ میں تمہیں ایک نوشتہ تحریر کردوں تاکہ میرے بعد تم گمراہ نہ ہو ان میں سے بعض نے کہا کہ حضرت پر مرض کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس قرآن تو موجود ہی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس وقت جو لوگ گھر میں موجود تھے ان میں اختلاف شروع ہو گیا۔ کچھ لوگ کہتے تھے قلم دوات دے دو۔ کچھ اس کے مخالف تھے۔ جب بہت شور ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ اُٹھ جاؤ میرے پاس سے۔ ان دونوں روایتوں میں اختلاف کرنے والوں کا نام درج نہیں ہے۔ لیکن تیسری روایت سے یہ ابہام بھی دور ہو جاتا ہے اور اس میں صاف صاف تحریر ہے کہ مخالفت کرنے والے حضرت عمر تھے (ملاحظہ ہو بخاری باب قول المریض قوموا عنی)[۲]

رسالتمآب کو اس واقعہ سے جتنا صدمہ بھی پہونچا ہو کم ہے۔ چنانچہ اسی صدمہ کا نتیجہ تھا کہ آپ نے برہم ہو کر سب کو اپنے پاس سے ہٹا دیا۔ لیکن اس منظر کی ایک آخری کڑی اور ہے جو دیکھنے کے قابل ہے۔ اس داستان کا ایک ٹکڑا اور ہے جو سُننے کے قابل ہے اور یہ کسی اور کے منہ کی بات نہیں ہے

[۱] بخاری مطبوعہ مصر جلد ۳ صفحہ ۵ [۲] بخاری جلد ۴ صفحہ ۵

بلکہ خود جناب عائشہ کا بیان ہے :- قالت قال رسول اللہ لما حضرته الوفات قال ادعوالی حبیبی فدعواله ابابکر فنظر الیه ثم وضع راسه ۲م ثم قال ادعوالی حبیبی فدعواله علیا ۳ فلما راٰه ادخله معه فی الثوب الذی کان علیه فلم یزل یحتضنه حتی قبض ویده علیه اخرجه الرازی - حضرت عائشہ کی روایت ہے کہ جب حضرت کا بالکل وقت آخر تھا تو آپ نے فرمایا بلاؤ میرے حبیب کو - کوئی جا کر حضرت ابو بکر کو بلا لایا - آپ نے تکیہ سے سر اٹھا کر دیکھا اور پھر تکیہ پر سر رکھدیا - دوبارہ فرمایا بلاؤ میرے حبیب کو - اب جا کر حضرت عمر کو بلا لائے آپ نے ان کو بھی دیکھ کر تکیہ پر سر رکھ لیا - تیسری مرتبہ پھر آپ نے یہی فرمایا کسی نے علی کو بلا لیا - جب آپ نے علی کو دیکھا تو انھیں اپنی چادر میں لے لیا جس کو آپ اوڑھے ہوئے تھے اور برابر اسی طرح لئے رہے - یہاں تک کہ حضرت کی روح مبارک نے جسم سے پرواز کی تو آپ کا ہاتھ علی کے اوپر تھا لہ" (منقول از رسالہ نگار لکھنؤ مارچ ۳۵ء)

۲م ثم قال ادعوالی حبیبی فدعواله عمر فلما نظر الیه

رسالہ نگار کے مذکورہ بالا مضمون کے جواب میں رسالہ فاران میں کوئی مضمون شایع کیا گیا اوس کے جواب میں حضرات اہلسنت کے مشہور اور زبردست علامہ حسینی نظامی صاحب حیدر آبادی دام برکاتہم نے تحقیقات کا ذخیرہ جمع کر کے مشہور اخبار منادی دہلی مورخہ ۵ر جولائی و ۱۲ر جولائی ۱۹۳۵ء میں شائع کرایا اس وجہ سے اوس مضمون کو بھی اس رسالہ میں نقل کیا جاتا ہے کہ بہت ہی ایمان افروز ہے - وہو ہذا :-

---

لہ ریاض نضرہ مطبوعہ مصر جلد ۲ ص ۱۸۰

بحث خلافت و امامت

پر

ایک نظر

(از علامہ علی نظامی حیدرآبادی خلیفہ حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب مدظلہ)

موقر رسالہ فاران میں بعنوان "خلافت و امامت" بجواب پنڈت ہرنام جی صاحب مولانا فاروق صاحب کی جوابی تحریر دیکھی - اور انجیلس کی زبانی ہرنام جی کی داستان بھی سنی - یہ بحثا بحثی فضول اور اس کا نتیجہ بے حصول ہے رہیں طنزیہ تحریریں اس سے نہ حضرت ابوبکر تولہ بھر گھٹ سکتے ہیں اور نہ جناب امیر ایک رتی بھر کم ہوتے ہیں - نہ تو مؤطا حضرت ابوبکرؓ کی تنقیص کر سکتی ہے اور نہ بخاری جناب امیر کی عظمت کم کر سکتی ہے - ہمارے عندیہ میں پنڈت جی کی وسعت تحقیق مسلّم - اور مولانا کا امام بخاری سے بے حد خلوص بے کیف و کم -

بخاری کا اصح کتب ہونا امام ابوبکر بن خزیمہ تلمیذ امام بخاری کا عقیدہ نظریہ ہے جو ایک حلقہ میں آج بھی پایا جاتا ہے اسکی ابتدا امام شافعیؒ کے عقیدے اصح الکتب تحت ادیم السماء بعد کتاب اللہ الموطاء سے شروع ہوئی اور ابو علی نیشاپوری کے جذبہ ما تحت ادیم السماء اصح من کتاب مسلم الا القرآن پر ختم ہوئی - یہ اپنا اپنا عقیدہ ہے اس پر دوسرے کا بس نہیں - اس کو عقیدہ کی حد تک رکھا جائے تو مناسب ہو -

قرآن و حدیث | ہم مسلمان قرآن مجید کے لفظ لفظ اور آیت آیت

کو وحی ربانی اور کلام حقانی مانتے ہیں اور از ازل تا ابد اس کو واجب التعمیل اور قابل احترام جانتے ہیں۔ رہی حدیث یہ بھی اگر باللفظ اور بالتواتر مروی ہے تو بعد کلام باری سر آنکھوں پر۔ اور یہی ہے مسلک امام ابو حنیفہؒ ماجاء عن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فعلے الراس والعین سلف اور خلف اس پر متفق ہیں کہ ہماری ساری مرویات بالمعنی ہیں یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا اور جو کیا اس کا خلاصہ صحابہ نے اپنے لفظوں میں تابعین کو اور تابعین نے جو سنا اس کا مفہوم اپنے لفظوں میں تبع تابعین کو سنایا اور انھوں نے ان لفظوں کو مطالب کے ساتھ محفوظ کر لیا اور روایت کی ۱۰۰ھ سے ابو حنیفہ نے روایت بالمعنیٰ کی روک تھام کرتے ہوئے روایت باللفظ پر زور دیا اور علے الاعلان فرمایا لا حجۃ الا فیما رواہ الراوی من حفظہ و تذکرہ (ابن الصلاح) مگر سنتے کون؟ کثرت روایت کا اس درجہ شوق تھا کہ ہزاروں حدیثیں بالمعنے مروی ہو گئیں جس کا خمیازہ آج امت اُٹھا رہی ہے۔ علامہ ابن عبد البر کتاب الکنی میں لکھتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ کی نہ سن کر ارباب روایت نے بڑی غلطی کی جیتے دم تک امام صاحب اس کے پابند رہے مگر ہزاروں بالمعنیٰ روایات کو روک نہ سکے۔ مگر پھر بھی ان پر چند قیود یہ عائد فرما گئے (۱) راوی میں ثقاہت، عدالت اور صداقت کے علاوہ فقاہت بھی رہے (۲) کوئی بھی حدیث شواہد کے بغیر قبول نہ ہو (۳) کوئی حدیث خلاف قرآن، منافی وقار نبوت، معارض واقعۂ مشہورہ یا مخالف اصول مجمع علیہا مروی نہ ہونے پائے۔ مگر ارباب روایت نے اس پر شور و غل مچایا اور امام صاحب کو اہل الرائے قرار دیا۔

احادیث بخاری کی ہوں کہ طبری کی، مسلم کی ہوں کہ طبرانی کی۔ سب کی سب بالمعنے مروی از قسم احاد اور مفید ظن ہیں۔ یہ قطعی الثبوت و الدلالۃ نہیں ہمارے محدثین نے جمع احادیث میں بڑی بڑی کڑیاں جھیلیں اور ہمارے لئے ایک ذخیرہ

ذخیرہ رکھ چھوڑا۔ مگر سب کا دارومدار راوی کے معتمد اور غیر معتمد سمجھنے پر رہا۔ جس کو معتبر جانا اس سے حدیث لی جس کو معتبر نہ جانا اس کی روایت چھوڑ دی۔ یہاں پر دیکھنا یہ ہے کہ احمد ہوں یا بخاری، ان بزرگوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تین چار واسطے ضرور ہیں۔ ان لوگوں نے اپنے استاد کے سوا اوپر کے کسی راوی کو دیکھا نہ سُنا۔ ہمارا یہ کلیہ کہ چونکہ یہ بڑے ائمہ ہیں ان کے کل راوی ثقہ و صدوق ہوں گے محض حسن ظن ہے۔ جب حسن ظن پر بات ٹھہری بالخصوص بالبخاری کیوں دوسرے اس سے محروم کیوں؟ اور اگر چھان بین کی ٹھہری تو بخاری اس سے مستثنیٰ کیوں؟

کہتے ہیں کہ کتب رجال اوپر کے راویوں کے حالات کا آئینہ ہیں یہ ایمان بالغیب ہے اور مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ کتب رجال بھی کتب انسانی ہیں ایک کتاب میں ایک کو ثقہ اور دوسری میں غیر ثقہ لکھا ہے۔ بلکہ ایک ہی میں ایک ہی کو ثقہ و غیر ثقہ لکھا ہے۔ بعض جگہ ایک امام فن نے ایک کو ثقہ اور دوسرے نے غیر ثقہ لکھا ہے۔ نیز ایک ہی امام نے ایک ہی کو ثقہ اور متروک بھی فرمایا ہے۔ بعض جگہ ایک راوی کو ایک جماعت کذاب، متروک، ناقابلِ روایت سارق حدیث، وضاع و دجال کہتی ہے۔ مگر صرف ایک امام فن اس کو ثقہ تسلیم کرتا اور اس سے حدیث روایت کرتا ہے۔ کیا اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ اسید بن زید الجمال سے جس کو ایک جماعت نے متروک کر دیا امام فن بخاریؒ اس سے اپنی صحیح میں روایت کرتے ہیں۔ بعض وقت ایک جماعت ایک شخص کو ثقہ و صدوق حجت اور امام کہتی ہے۔ مگر ایک امام وقت اس راوی کو ناقابل حجت کہتا ہے کیا یہ واقعہ نہیں کہ امام جعفر صادق جن کو تمام محدثین مانتے ہیں بخاری انھیں ناقابلِ روایت سمجھتے ہیں؟

مولانا کی طرح جامع بخاری کو ہی مضبوط ماخذ روایات ماننے پر نہ ہم آمادہ ہیں

اور نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ بخاری کے سوا ہماری اور ساری تفسیر و حدیث کی کتابیں جو
عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ، ابوحنیفہ، شافعی، احمد ابن راہویہ، ابویعلی، عبد
بن حمید، ابن منصور، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، ترمذی، دارمی، بیہقی، ابن عاصم
ابوحاتم، ابن خزیمہ، طحاوی، ابن حبان، حاکم، ضیاء مقدسی، طبرانی، طبری، ابن
اسحاق، ابن ہشام، حلبی، ابن عبدالبر، ابن سعد، ابن عساکر، خطیب، ابن مردویہ
ابن مغازلی، دیلمی، عاصمی، ابوالحسن الملاء، ثعلبی، واحدی، ابن ابی حاتم، امام رازی
اور بغوی سے منسوب ہیں تو وہ خرافات اور مجموعہ موضوعات و ضعاف ہیں۔ اس لئے
کہ ہمارے سلف صالحین اور علمائے عاملین مثل علامہ عینی، نووی، ابن حجر، سبکی، ذہبی
قسطلانی، زرقانی، شوکانی، قاری، متقی، سیوطی، ابن حجر مکی، شیخ دہلوی اور
شاہ ولی اللہ نے ان ہی کتب سے ان گنت روایتیں اپنی تصنیفوں میں لی ہیں
اور ان کتب کو مستند اور قابل احتجاج تسلیم کیا ہے۔

امام بخاری فن حدیث کے بڑے امام اپنی آپ نظیر اور خاص شان کے محدث
ہیں۔ مگر معصوم اور محفوظ عن الخطا نہیں۔ ان سے پہلے بھی اور ان سے بعد بھی
صدہا جلیل القدر ائمۂ فن گذرے ہیں اور اپنی صدہا تصنیفیں ہمارے لئے چھوڑ گئے
ہیں۔ ہم اور ہمارے سلف ان سب کو مانتے ہیں اور سب کی روایتیں لیا کرتے
ہیں۔ خود بخاری و مسلم بھی تو عبدالرزاق، ابن ابی شیبہ و امام احمد کی کتابوں سے
برسوں متمتع رہے ہیں۔ سو دو سو کتب حدیث میں ایک بخاری کی صحیح بھی ہے۔
ہر کتاب قابل احتجاج اور ہر کتاب مستند ہے۔ ہر کتاب میں صحیح، حسن، ضعیف
و سقیم روایتیں ہیں۔ کہیں کم کہیں زیادہ۔ نہ ہم اس کے قائل کہ بخاری میں
جو کچھ ہے وہ سب صحیح ہے اور نہ ہم اس کے معتقد کہ اس سے باہر جو ہے وہ
غیر مستند۔ ناقابل حجت یا ہمہ سوختنی ہے۔ یہی ہمارا مسلک ہے اور یہی ہمارے
ائمۂ حنفیہ کا طرز ہے۔

چنانچہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی جو حنفیہ کے مستند عالم اور محدث ہیں شرح سفر السعادت میں رقمطراز ہیں (۱) صحیح در مسلم و بخاری منحصر نیست از غیر اینہا ہم حدیث صحیح را اخذ تواں کرد (۲) احادیث صحیحہ منحصر نیست در صحیحین بخاری و مسلم و ایشاں استیعاب نہ کردہ اند جمیع صحاح را کہ نزد ایشاں بود بر شرط ایشاں چہ جائے مطلق صحیح (۳) کتب ستہ کہ مشہور اند در اسلام گفتہ اند کہ درانجا اقسام حدیث از صحیح و حسان و ضعاف ہمہ موجود ست (۴) بہ تحقیق روایت کردہ است امام مسلم در کتاب خود از بسیارے از رواۃ کہ سالم نیستند از غوائل جرح و ہم چنیں در کتاب خود بخاری از جماعتے روایت کردہ کہ تکلم کردہ شدہ است در ایشاں۔ (۵) در کتب نسائی و ابن ماجہ و ابو داؤد و احمد و طیالسی و عبداللہ بن احمد و عبدالرزاق و ابن منصور و ابن ابی شیبہ و ابو یعلیٰ و حاکم و طبرانی و دارقطنی و ابو نعیم و بیہقی صحیح و حسن و ضعیف ہمہ اقسام حدیث نمایاں۔ اما ہرچہ در مسند امام احمد است ہمہ مقبول است و ضعیف وے نیز قریب حسن است۔

امام ابن حجر عسقلانی قول مسدد میں اور علامہ ابن ہمام بھی فتح القدیر میں قریب قریب یہی فرمارہے ہیں۔

عقیدت اور بات ہے واقعہ اور چیز ہے۔ عقیدت سے واقعہ کا کوئی تعلق نہیں۔ عقیدت منوائی نہیں جاتی۔ واقعہ اپنے آپ کو منوا کر رہتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بخاری میں بھی صحاح و حسان، ضعاف و منکر مرفوعات اور تعلیقات ہیں۔ شامی کنیتوں اور ناموں کا اختلاط آج بھی لاینحل ہے۔ غزوات خطبات اور بعض واقعات کی ناقابل بیان قطع و برید بوجہ اختصار پسندی ہوگئی ہے جو بخاری سے باہر باسناد جید تفصیل سے ملتے ہیں۔ تعلیقات کی بھرمار نے آپ کے ہم عصر امام ابو حفص کبیر بخاری کو آپ کا مخالف کردیا اور بعد والوں میں ابن حزم جیسی ہستیوں کو اس کتاب پر جرح کا کافی موقع دیا۔ ان کے علاوہ فرقہ

اباضیہ۔ خارجیہ۔ ناصبیہ۔ رافضیہ۔ جہمیہ۔ مرجیہ و قدریہ کی ان گنتی روایتیں اس میں موجود ہیں۔ چنانچہ ابن حجر جیسا بخاری پرست محدث بھی نخبہ میں لکھتا ہے ان الرجال الذین تکلم فیہم من رجال مسلم اکثر عددًا من رجال البخاری اور علی القاری شرح نخبہ میں فرماتے ہیں فان الذین انفرد بہم البخاری اربعمائۃ وخمس وثلاثون رجلاً والمتکلم فیہم بالضعف نحو من ثمانین والذین انفرد بہم مسلم نحو ستمائۃ وعشرون والمتکلم فیہم بالضعف مائۃ وستون کما ذکرہ السخاوی فی شرحہ علی الفیۃ المالکی۔ مختصر یہ کہ بخاری میں چار سو پینتیس ۴۳۵ حدیثیں منفرد ہیں جن میں اسی ضعیف ہیں اور مسلم میں چھ سو بیس حدیثیں منفرد ہیں جن میں ایک سو ساٹھ ضعیف ہیں۔

بخاری کے چند ضعیف راویوں کے نام

(۱) اسید بن زید الجمال ابو محمد کوفی۔ کذاب و متروک۔ ابن معین نے کہا کذاب ہے۔ نسائی و احمد نے کہا متروک ہے۔ ابن حجر نے کہا کہ کسی کے نزدیک بھی یہ ثقہ نہیں۔

(۲) عبد الرحمن بن عبد اللہ بن دینار۔ ابن معین نے کہا ضعیف ہے ابو حاتم نے کہا ناقابل روایت ہے۔ مہدی نے کہا ناقابل حجت ہے۔ دار قطنی نے کہا اس سے روایت کرنا بخاری کے لئے عیب ہے۔

(۳) اسحٰق بن محمد بن اسمٰعیل الفروی۔ مرہ نے کہا مضطرب ہے عقیلی نے کہا واہی ہے۔ نسائی نے کہا ثقہ نہیں۔ دار قطنی نے کہا ضعیف ہے۔ ابو داؤد نے کہا راوی منکرات ہے۔

(۴) اسمٰعیل بن ادریس۔ نسائی نے کہا ضعیف ہے۔ ابن معین نے کہا چور ہے۔ دار قطنی نے کہا کذاب ہے۔ ابن عدی نے کہا سارق حدیث ہے

(۵) زکریا بن یحییٰ طائی۔ دار قطنی نے کہا ضعیف ہے یحییٰ نے کہا راوی

منکرات ہے۔ حاکم نے کہا کثیر الاغلاط ہے۔ اور ابوداؤد نے کہا منکر الحدیث ہے
(۶) عبدالعزیز دراوردی:۔ احمد نے کہا وہمی اور کثیر الاغلاط ہے۔ ابوذرعہ نے کہا سئ الحفظ ہے۔ نسائی نے کہا منکر الحدیث ہے۔ اور ابوحاتم نے کہا ناقابل احتجاج ہے۔
(۷) محمد بن طلحہ بن مصرف کوفی:۔ ابن سعد نے کہا راوی منکرات ہے۔ عفان نے کہا کذاب ہے۔ ابوداؤد نے کہا کثیر الخطا ہے۔ نسائی نے کہا ضعیف ہے۔ ابوکامل نے کہا لایحل عنہ الروایۃ۔
(۸) محمد بن یزید کوفی:۔ ابوحاتم نے کہا خبطی ہے۔ ابوذرعہ نے کہا چور ہے اور خود بخاری نے کہا ضعیف ہے۔
(۹) معلے بن منصور رازی:۔ احمد نے کہا کثیر الخطا ہے۔ ابوحاتم نے کہا کذاب ہے۔ یحییٰ نے کہا ثقہ نہیں۔
(۱۰) یحییٰ بن زکریا غسانی:۔ ابوداؤد نے کہا ضعیف ہے۔ ابن معین نے کہا مجہول ہے۔ ابن حبان نے کہا لایجوز عنہ الروایۃ۔ یحییٰ نے کہا کذاب ہے دجال ہے۔ حدیثیں بنایا کرتا ہے۔
(۱۱) عتاب بن بشیر جزری:۔ احمد نے کہا ضعیف ہے۔ نسائی نے کہا قوی نہیں۔ ابن مہدی نے کہا متروک ہے۔
(۱۲) فلیح بن سلیمان:۔ یحییٰ و ابوحاتم و ابوداؤد نے کہا ناقابل احتجاج ہے۔ ابن معین و نسائی و ابوحاتم نے کہا قوی نہیں ثقہ نہیں۔ ابوداؤد نے کہا کچھ بھی نہیں۔ نسائی نے کہا بے انتہا ضعیف ہے۔ سعید بن منصور نے کہا کثیر الخطا ہے۔ ابن عدی نے کہا راوی غرائب ہے۔
(۱۳) **عکرمہ مولی ابن عباس**:۔ یحییٰ بن سعید نے کہا جھوٹا ہے۔ مالک نے کہا ناقابل اعتبار ہے۔ علی بن عبداللہ بن عباس نے کہا کذاب ہے خبیث ہے

میرے باپ کے نام جھوٹی روایتیں کرتا ہے۔سعید بن المسیب نے کہا کذاب ہے۔عطا بن ابی رباح نے کہا جھوٹا ہے۔ابن سیرین نے کہا کذاب ہے ابن ابی ذئب نے کہا ثقہ نہیں۔یحیی بن معین نے کہا دروغ باف ہے۔ابن سعد نے کہا اس کی روایتیں ناقابل اعتبار ہیں۔

(۱۴) مروان بن حکم بن عاص: رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا لعنت کردہ ملعون بن ملعون۔حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔لعن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم حکم بن العاص ومروان فی صلبہ جھوٹا، فاسق، قاتل طلحہ، دشمن آل نبی، اسکی بھی روایتیں صحیح بخاری میں موجود ہیں۔

صحیح بخاری ہو کہ صحیح مسلم آخر انسانی کتابیں ہیں۔ان میں غلطیوں کا رہ جانا کوئی بات نہیں۔امام صاحبوں نے اپنے امکان تک جانچ پڑتال کی اور لاکھ دو لاکھ کے ذخیرہ سے جو کُل کے کُل آپ دونوں کے عندیہ میں صحیح تھے کاٹ چھانٹ کر یہ دو کتابیں ہمارے لئے چھوڑیں۔اسی یا اسی سے بڑھکر ضعیف حدیثوں کا اس میں پایا جانا کوئی بات نہیں مگر ان میں اوروں کی بہ نظر صحیح کی مقدار زیادہ ہے۔رہا یہ عقیدہ کہ جو کچھ بخاری میں ہے وہ سب صحیح ہے یا بخاری میں جو بات نہیں وہ غلط ہے محض عقیدت ہے اور واقعہ اس کے برعکس ہے۔بخاری نے ایک لاکھ صحیح حدیثیں جو اپنی شرط پر تھیں حفظ کیں۔اور انمیں سے صرف چار ہزار اس کتاب میں درج کیں اور بقیہ ۹۶ ہزار صحیح حدیثوں کو بخوف طوالت کتاب ترک کر دیا۔پھر ایسی کتاب ساری صحیح حدیثوں کا کیونکر مجموعہ ہوسکتی ہے

سابقیت اسلام

مولانا کا یہ تخیل کہ جناب امیر کا نمبر اسلام میں چوتھا بلکہ نواں تھا اور جو آپ کے مضبوط ماخذ سے ماخوذ ہے نہ نقلاً درست ہے اور نہ عقلاً صحیح ہے۔آپ کے مضبوط ماخذ یعنی بخاری کی ہر دو روایتیں معلول اور سقیم ہیں۔ہر دو میں ایک مشترک راوی اسمٰعیل بن مجالد ہے۔جو ضعیف ناقابل

اعتبار ہے اور بے انتہا سقیم ہے۔ نسائی کہتے ہیں بے انتہا ضعیف ہے۔
حاکم کہتے ہیں نا قابل اعتبار ہے۔ دار قطنی کہتے ہیں بالاجماع ضعیف ہے۔
سعدی کہتے ہیں نا محمود شخص ہے ابو ذرعہ کہتے ہیں نہ ادھر ہے نہ اُدھر ہے۔
اس نا قابل قبول روایت کو لئے ہوئے جمہور کے برخلاف جو جناب امیر کو بعد
حضرت خدیجہ سابق الاسلام مانتے ہیں بخاری اکھڑے ہوئے ہیں۔ روایت بھی
وہ جس میں پانچ گمنام غلاموں کا اسلام میں سابق ہونا ذکر کیا گیا ہے۔ جناب امیر
کا بعد حضرت خدیجہ کے سابق الاسلام ہونا خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے
تسلیم فرما لیا ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں مجھ پر ایمان لانے والوں میں سب سے پہلے علی ہیں
اس کی روایت امام احمد نے سیدنا عمرؓ سے طبرانی نے حضرت سلمان سے بزار
نے حضرت ابوذر سے عقیلی نے براء بن عازب سے۔ امام احمد و طبرانی نے معقل بن
یسار سے۔ دار قطنی نے ابو سعید خدری سے دیلمی نے حضرت سعد و ابو سعید
و ام سلمہ و جابر و اسما بنت عمیس سے۔ حاکم نے معاذؓ سے عقیلی نے حضرت عائشہ
سے۔ حاکم بن عدی۔ خطیب اور ابن اسامہ نے سلمان سے بزار نے حضرت علی سے
حاکم نے ابو یعلے سے۔ ابو نعیم نے حضرت معاذ اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے
کی ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے بعد کسی اور کی شہادت
نا قابل قبول ہے۔ مگر مزید قوت روایت کے لئے صحابہ کی شہادتیں بھی موجود ہیں
چنانچہ امام احمد و نسائی و ترمذی و حاکم و طبرانی نے حضرت زید بن ارقم سے۔
ترمذی و بغوی نے حضرت انسؓ سے۔ طبرانی و احمد نے حضرت جابرؓ و ابو رافع
سے۔ طبرانی و حاکم نے حضرت انسؓ سے۔ ترمذی طبرانی و حاکم و ابن جریر نے ابن
عباس سے۔ طبرانی نے حضرت جابرؓ سے۔ ابن عبدالبر نے حضرات ابن عباسؓ، سلمانؓ،
ابوذرؓ، خبابؓ، مقدادؓ، زید بن ارقمؓ، جابرؓ، ابو سعید خدریؓ، حضرت عباس
اور ابن مسعود سے۔ حاکم نے ابو موسیٰؓ و زید بن ارقمؓ سے۔ امام شافعی طیالسی

ابن ابی شیبہ، امام احمد و ترمذی، حاکم و بیہقی و ابن عبدالبر و ابن ابی خثیمہ نے زید[20] بن ارقم سے، طبرانی و ابن عبدالبر و عبدالرزاق و حاکم و ابن سعد نے[21] ابن عباس سے۔ امام ابوحنیفہ احمد و نسائی و حاکم و بزار و ابو یعلیٰ نے[22] حضرت علی سے روایت کی ہے کہ بعد حضرت خدیجہ کے علی بن ابیطالب سابق الاسلام ہیں۔ محمد بن اسحاق نے اپنی سیرت میں اور ابن عبدالبر نے استیعاب میں یہ بھی لکھدیا ہے کہ جناب امیر کے سابق الاسلام بعد خدیجہ ہونے پر صحابہ کا اجماع ہے۔

ان روایات کو ترمذی و حاکم و ابن عبدالبر اور ابوجعفر طبری اور ضیا مقدسی اور ابن حجر نے صحیح مانا ہے۔ اور عفیف کندی والی روایت کہ سے دین پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم و خدیجہ رض و جناب امیر کے سوا کوئی چوتھا روے زمین پر نہ تھا اسی دن میں نے اسلام قبول کر لیا ہوتا تو میرا نمبر چوتھا ہوتا۔ اس کی روایت خود بخاری نے تاریخ میں، ابن اسحاق و امام احمد و طبرانی و ابو یعلیٰ و حاکم و بغوی و ابن عبدالبر اور نسائی نے اپنی تصنیفوں میں کی ہے اور یہ حدیث ترمذی، ابن عبدالبر، ابوجعفر طبری، ابن حجر و سیوطی کے عندیہ میں درجہ صحیح کی ہے۔ اتنی زبردست شہادتوں کے مقابلہ میں تنہا بخاری کی روایت وہ بھی معلول اور سقیم کس کام کی؟

ہجرت کا واقعہ

جیسے حضرت ابوبکر رض کا واقعہ قرآن میں و ثانی اثنین اذ هما فی الغار سے مفہوم ہے۔ ایسے ہی حضرت علی رض کا بستر رسول پر آپ کی چادر اوڑھے سونا آیت و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ و اللہ رؤف بالعباد سے مترشح ہے۔ جیسے صاحب کی تشریح میں متعدد صحابہ نے حضرت ابوبکر رض کا نام لیا ہے۔ اسی طرح تفسیر من یشری نفسہ میں کئی صحابہ نے جناب امیر کا نام لیا ہے۔ اگر اس کو امام بخاری نے بقول علامہ ابن رجب اندلسی بدآنا بما اوردہ مسلم لانہ اوردہ بکمالہ و قطعہ

البخاری و اسقط فیه علی عادته کما نری و هو مما عیب علیه
فی تصنیفه علی ما جری و لاسیما اسقاطه لذکر علی بن ابی طالب

محض نام علی آنے کی وجہ سے ساقط فرما دیا ہے۔ تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں۔ جب کہ ۹٦ ہزار صحیح حدیثیں اس کتاب سے غائب ہیں وہاں ایک کا کیا ذکر۔ مگر امام ابن اسحاق کی سیرت میں۔ سیرت ابن ہشام میں تاریخ طبری میں۔ صحیح حاکم میں، مسند طیالسی میں۔ مسند احمد و سنن ابو عوانہ و سنن نسائی و خصائص میں تفسیر ابو حاتم و تفسیر ثعلبی و واحدی و اسد الغابہ وغیرہم جیسی مستند کتب میں یہ واقعہ بتمامہ موجود ہے اور شاہ ولی اللہ ہمارے شیخ الشیوخ بھی ازالۃ الخفاء میں اس کو لکھتے ہیں اور ذہبی جیسے متشدد اس کو حدیث صحیح فرماتے ہیں (مستدرک ص ۱۳۳) اور حاکم جیسے امام فن بخاری کو اس کے ترک کا طعنہ دیتے ہیں اور مولانا شبلی جیسے بخاری پرست نے سیرت جلد اول ص ۱۹۲ میں لکھا ہے "یہ سخت خطرہ کا موقع تھا۔ جناب امیر کو معلوم تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں۔ اور آج رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا بستر قتل گاہ کی زمین ہے۔ لیکن فاتح خیبر کے لئے قتل گاہ فرش گل تھا" پنڈت ہرنام صاحب کے اور مولانا فاروق صاحب کے معرکۂ توہین صحابہ سے ہمیں کوئی سروکار نہیں۔ ہمارا تو یہ مقولہ ہے کہ جناب امیر نے جانبازی کی انتہا کر دی اور جناب ابوبکر نے جاں نثاری کی حد کر دی۔ رضی اللہ عنہما۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی علیؓ

مواخات نبی و علی کا تذکرہ بخاری میں نہیں نہ سہی مگر واقعہ سچا اور مستند شہادتوں سے ثابت ہے۔ ترمذی، حاکم، بغوی نے حضرت ابن عمر سے - امام احمد نے زید بن ابی اوفی، یعلی بن مرہ، عمرو بن العاص، ابن عباس اور حذیفہ

رضی اللہ عنہم سے۔ ابن مردویہ نے حضرت زید بن ارقم سے۔ عبداللہ بن احمد
نے ابن عمر سے۔ طبرانی نے ابورافع و ابن عباس سے۔ ابن عساکر نے ابوامامہ
سے۔ نسائی نے حضرات ابن عباس اور زید بن ارقم سے۔ ابن عبدالبر نے
ابو الطفیل سے۔ ابن مردویہ نے حذیفہ بن یمان سے۔ ابوالحسن ابن المغازلی
نے حضرت انس سے روایت کی کہ مہاجرین اور انصار کے مابین مواخات قائم
کرنے کے بعد حضرت علیؓ سے فرمایا کہ۔ تم دنیا میں بھی ہمارے بھائی ہو اور
آخرت میں بھی ہمارے بھائی ہو۔ سولہ محدثین عظام اور بارہ صحابی کرام
کی زبردست شہادت سے یہ واقعہ ثابت ہے۔ اس کا انکار ممکن نہیں۔

سد ابواب کا تذکرہ

حدیث سدوا ھذہ الا بواب الا باب علی کی روایت نہ صرف ثابت اور صحیح ہے بلکہ کبار محدثین کے پاس
متواترات سے ہے۔ سولہ صحابیوں سے تیرہ محدثین نے بہ اسناد جید
معنعن روایتیں کی ہیں۔ امام احمد نے مسند اور مناقب میں حضرت زید
بن ارقم و براء بن عازب و سیدنا عمر و ابوہریرہ و ابن عمر و سعد رضی اللہ عنہم سے
امام نسائی نے حضرات ابن عباس و ابن عمر و حرب بن مالک و زید بن ارقم و
سعد بن مالک و براء بن عازب سے۔ حاکم نے مستدرک میں حضرت زید
بن ارقم و براء سے طبرانی نے سعد و ابن عباس و جابر بن سمرہ و ناصح بن عبداللہ
اور ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے۔ ترمذی نے حضرت ابن عباس سے
ابن سمان نے حضرت ابوہریرہ سے۔ ابن المغازلی نے حضرت سعد سے۔
بیہقی نے حضرت ام سلمہ سے۔ ابوبکر بزار نے عمرو بن سہیل سے۔ ابن مردویہ
نے حضرت علی سے۔ ابن عساکر نے عثمان بن عبداللہ سے اور ابوسعد نے
شرف النبوۃ میں حضرات سعد و جابر بن عبداللہ سے اس سد ابواب والی
حدیث کی روایت کی ہے۔

تنقید حدیث

علامہ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری میں الا باب علی کی نسبت لکھتے ہیں کہ امام احمد ونسائی کی حدیث سعد کے سارے طرق قوی اور ثابت ہیں۔ طبرانی نے بھی اس کی ثقہ راویوں سے روایت کی ہے۔ دوسری حدیث میں زید بن ارقم مرویہ احمد ونسائی کا ہر طریقہ قوی اور ان کے سارے رجال ثقہ وصدوق ہیں۔ تیسری حدیث جابر بن سمرہ مرویہ طبرانی اور چوتھی حدیث ابن عمر مرویہ امام احمد کے کل راوی درجہ حسن کے ہیں۔ پانچویں حدیث ابن عمر مرویہ نسائی میں علاء بن عرار کے علاوہ (جو ابن معین اور احمد کے نزدیک ثقہ مگر اوروں کے نزدیک ثقہ نہیں) باقی سارے راوی ثقہ وصدوق ہیں جو امام احمد کے پاس حدیث صحیح ہے ترک بھی کر دیا جائے تو احادیث سعد وزید بن ارقم مرویہ احمد ونسائی سب کے پاس صحیح ہیں اور احادیث جابر بن سمرہ مرویہ طبرانی اور حدیث ابن عمر مرویہ امام احمد حدیث حسن ہے اور ثبوت کے لئے یہ بہت ہیں۔

مطابقت روایات

حافظ احمد بن عمر عبدالخالق صاحب مسند و تلمیذ خاص امام بخاری نے اپنی مسند میں اور امام طحاوی حنفی نے مشکل الآثار میں ان دونوں روایتوں کی یوں تطبیق کی ہے کہ باب علی کے سوا سارے دروازے بند ہونے کا حکم ہوا تو سب دروازے بند کئے گئے سوائے دروازہ علی رضی کے مگر ان صحابہ نے جن کے مکان مسجد کے اردگرد تھے نماز کے اوقات کی آگہی کے لئے جانب مسجد کھڑکیاں رکھ لیں جس پر دوبارہ ان کے بند کرنے کا حکم ہوا اور حضرت ابوبکر کی کھڑکی کھلی رکھی گئی۔

محاکمہ ابن حجر نسبت حدیث خوخہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

خوخہ والی روایت بخاری کی ہے باب علی والی احادیث سعد وزید بن ارقم مرویہ احمد ونسائی اور روایت جابر مرویہ طبرانی اور روایت ابن عمر مرویہ احمد عند الجمہور صحیح وثابت ہیں۔ امام بخاری کی روایت میں اضطراب ہے۔ کہیں خوخہ

کا لفظ ہے اور کہیں باب کا ۔ اور دونوں کے معنی جدا جدا ہیں ۔ اس کے راوی فلیح بن سلیمان بن ابی مغیرہ جو حضرت ابوسعید کے نبیرے ہیں مجروح اور ضعیف ہیں ۔ ابوحاتم نے بروایت معاویہ بن صالح نقادِ فن یحییٰ بن معین سے فلیح کا غیر ثقہ ہونا نقل کیا ہے۔

ابوداؤد نے تو انکو لیس بشیئ لا یجوز عنہ الروایہ لکھا ہے ۔ نسائی کہتے ہیں کہ یہ وہمی اور بے انتہا ضعیف ہیں ۔ ابن عدی کا بیان ہے کہ یہ راوی غرائب و مناکیر ہیں اور سعید بن منصور کا قول ہے کہ یہ کثیر الخطا ہیں و تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۸ صہ ۳۰۴ ۔ دوسری روایت ابن عباس مرویہ بخاری خود اُن صحیح روایات ابن عباس مرویہ احمد و ترمذی و نسائی متعلقہ باب علی کے مخالف ہے ۔ چنانچہ یہ بھی ائمہ محدثین کے نزدیک صحت کے معیار سے گری ہوئی ہے ۔ کیونکہ اس کا راوی عکرمہ غلام ابن عباس ہے جو سخت خارجی اور ناصبی ہونے کے علاوہ کذاب اور حدیث وضع کرنے والا ہے ۔ یحییٰ بن سعید کا قول ہے ۔ عکرمہ کذاب ہے ۔ امام مالک کا بیان ہے کہ وہ ناقابل اعتبار ہے ۔ حضرت ابن عباس کے فرزند علی کا کہنا ہے کہ عکرمہ کذاب ہے ۔ خبیث ہے اور دجال ہے ۔ میرے باپ کے نام سے حدیثیں بنا بنا کر روایت کرتا ہے ۔ قاسم بن محمد بن ابی بکر صدیق کہتے ہیں کہ عکرمہ جھوٹا ہے ۔ سعید بن مسیب خیر التابعین کا قول ہے کہ عکرمہ کذاب ہے ۔ عطا بن رباح اجل تابعی کا قول ہے کہ عکرمہ کذاب ہے اور ابن عباس کی طرف سے حدیثیں بنا بنا کر روایت کرتا ہے ۔ علامہ ابن سیرین کا بیان ہے کہ عکرمہ کذاب ہے ۔ یحییٰ بن معین کہتے تھے عکرمہ کذاب ہے ۔ ابن ابی ذئب نے کہا ثقہ نہیں ہے ۔ ابن سعد نے کہا لا یجوز عنہ الروایہ علی المدینی ، عطاء بن ابی رباح تابعی جلیل ۔ خیر التابعین سعید بن المسیب

یحییٰ بن بکیر اور مصعب بن زبیر کہتے ہیں کہ عکرمہ سخت خارجی ہے۔ لوگوں نے اس کے جنازہ کی نماز تک نہ پڑھی۔ غور کا مقام ہے کہ یہ روایت جس میں عکرمہ ہو کس حیثیت کی ہو سکتی ہے۔

یہ کہے بغیر رہا نہیں جاتا کہ جامع بخاری عکرمہ جیسے جھوٹے اور واضع احادیث کی روایتوں سے اور مروان لعین بن لعین جیسی شخصیت کی روایتوں سے تو مالامال ہے۔ مگر سید التابعین اویس قرنی اور امام الصادقین امام جعفر علیہ السلام کی روایتوں سے معریٰ ہے۔ مروان اور عکرمہ تو بخاری کے نزدیک مقبول مگر اویس قرنی اور جعفر صادق نامقبول۔ اے سبحان اللہ۔

علامہ ابن جریر طبری اور عینی شارح بخاری کا کہنا یہ ہے کہ مسجد نبوی سے ملحق سیدنا ابوبکر کا کوئی مکان نہ تھا۔ ہجرت پر آپ بنی عبد عوف میں مقیم رہے اور اسی مکان میں حضرت عائشہؓ کا زفاف بھی ہوا (بخاری) اور یہیں عبد اللہ بن زبیر آپ کے نواسے پیدا ہوئے۔ یہاں سے مسجد تک تقریباً میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ تھا (عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ہفتم ص ۶۰۰) ایام علالت نبوی میں آپ مقام سنخ میں جو حوالی مدینہ سے ہے رہتے تھے۔ بوقت رحلت رسالتمآب اور کئی دن بعد رحلت بھی یہیں مقیم تھے۔ امام بخاری نے کتاب الصلوٰۃ کتاب المناقب اور کتاب الجنائز میں بھی لکھا ہے اقبل ابو بکر علے فرسہ من مسکنہ بالسنح۔ خود حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہونے کے چھ مہینے بعد تک بھی اپنے مکان مقام سنخ میں رہتے تھے۔ وہاں سے علی الصباح مدینہ منورہ کبھی پیدل کبھی گھوڑے پر آیا کرتے تھے۔ عشا کی نماز پڑھکر پھر واپس جاتے تھے آپ کبھی نہ آتے تھے تو آپکی جگہ عمر ابن الخطاب نماز پڑھا دیا کرتے تھے (تاریخ طبری ص ۲۱۲)

مولانا فاروق کا یہ ذم آمیز کلام کہ یہ بزرگوار سپاہی تھے اور حضرت ابوبکر وزیر اور ظاہر ہے کہ وزیر اور سپاہی کی ذمہ داریوں اور کاموں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

یقیناً قابل استحسان نہیں تحقیق تو یہ ہے کہ حضرت حمزہ بنی ہاشم، فرزند عبدالمطلب عم رسول اللہ اور شیر خدا اور شیر رسول خدا تھے۔ حضرت عبیدہ رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور حضور کے فدائی تھے۔ رہے حضرت علی۔ آپ آنحضرت کے دین و دنیا میں بھائی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے داماد۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اور خدا کے محبوب۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے جاں نثار آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مشیر اور شیخین کی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وزیر اور خلیفہ تھے (بخاری و مسلم، ترمذی ونسائی)، حدیث یا علی انت اخی وصاحبی ووزیری مرویۂ احمد و طبرانی وابن ابی شیبہ از سلمانؓ و ابوذرؓ اور حدیث انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ۔ اس پر دو ثقہ شاہد ہیں۔ جناب ابوبکر ہوں کہ جناب عمر جناب علی ہوں کہ جناب حمزہ ہر فرد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یار جاں نثار حقیقی مشیر، وزیر با تدبیر اور فدائی تھا۔ اسی جنگ میں حضور نے مع احدکما جبرئیل ومع الاٰخر میکائیل مرویۂ احمد ونسائی وابن ابی شیبہ حضرات علی وابوبکر کی نسبت فرمایا اور اسد اللہ واسد رسولہ حضرت حمزہ کے متعلق فرمایا تھا جس کے ذمہ جو کام سپرد ہوا اس کو اس نے جاں نثاری سے انجام دیا۔ جناب امیر آپ کی نگاہوں میں ایک معمولی سپاہی نظر آئیں تو کوئی حرج نہیں مگر نگاہ رسالت مآب میں علی فاتح بدر وحنین اور خیبر و خندق کے ہیرو تھے۔ چنانچہ علامہ شبلی سیرت النبی جلد اول ص۲۵۷ میں فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے راوی غزوۂ بدر کے ہیرو اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب ہیں۔

فتح جیت غزوہ فاطمۃ الزہراؓ یہ وہ مہتم بالشان افتخار اور سرافراز وقار تھا کہ آپ کے بقول ان دونوں بزرگواروں نے

بھی جن کی صاحب زادیاں مسلمانوں کی مائیں بن چکی تھیں ۔ اس اعزاز خصوصی کے حصول میں سعی کی تھی ملاحظہ ہوں احادیث مردویۂ احمد و ابوحاتم ونسائی وعبدالرزاق وغیرہم ومرویات ابن حجر فی اصابہ وابن سعد فی الطبقات وابن اسیر فی اسد الغابہ وابوجعفر فی تہذیب الآثار ومواہب عسقلانی چونکہ تزویج فاطمہ موقوف بر وحی آسمانی تھی ۔ ارشاد ہوا مجھے وحی کا انتظار ہے (امام احمد ۔ ابوحاتم ۔ ابن ابی شیبہ وحاکمی) اتنے میں وحی نازل ہوتی ہے ۔ ارشاد فرماتے ہیں خدا نے فاطمہ کا عقد علی سے کر دینے کا امر فرمایا ہے (احمد وابوجعفر وطبری وطبرانی وابن شاذان وابن السمان وبیہقی وخطیب وابن عساکر وحاکم از حضرات انس وجابر وابن عباس)

مولانا کے اس جملہ کا (بلکہ خود حضرت علی کی مائیں بن چکی تھیں) حضرت ابوبکر اور عمر کی مائیں بھی تو ہو چکی تھیں ۔ کافی جواب ہے ۔ آگے چل کر ارشاد فرماتے ہیں کہ دامادی دوسرے درجہ کی چیز تھی اس لیئے دوسرے درجہ کے لوگ اس سے مشرف ہو سکتے تھے یہ کلمہ صداقت اور ادب سے گرا ہوا ہے ۔ دامادی رسول تو ایک مختص شرف ہے ۔ مگر زوجیت فاطمۃ الزہرا اس مختص شرف میں بھی اعلیٰ سے اعلےٰ ہے ۔ یہ وہ شرف ہے جسکی تمنا کا اظہار وہ بزرگ بھی فرمایا کرتے تھے ۔ جنکی صاحبزادی مسلمانوں کی ماں بن چکی تھیں ۔ امام احمد ابن ابی شیبہ ۔ ابن مندہ ۔ ابویعلےٰ ۔ حاکم وابن نجار سے مروی ہے کہ حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ جناب امیر کے تین شرف سے ایک بھی مجھے حاصل ہوتا تو مجھے حمر نعم سے بھی محبوب تر ہوتا ۔ ایک فاطمہ جیسی بی بی کا علی کو ملنا ۔ مسجد میں صرف ان کا دروازہ کھلا رہنا اور یوم خیبر علی کو رایت کا ملنا ۔ یہ وہ شرف وافتخار ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں یاعلی اوتیت ثلاثا لم یوت احد ولا انا اوتیت صہراً مثلی ولم اوت انا مثلی

واوتیت صدیقةً مثل بنتی ولم اوت مثلها واوتیت الحسن والحسین من صلبك ولم اوت من صلبی مثلهما ولكنكم منی وانا منكم (اس کی روایت دیلمی نے ابن حجر عسقلانی نے ابوسعد نے شرف نبوت میں اور امام علی الرضا نے اپنی مسند میں اور ابوالحسن ملا نے سیرت میں کی ہے) یعنی اے علیؑ تم کو تین باتیں ایسی حاصل ہیں جو مجھے بھی حاصل نہیں اور نہ کسی کو حاصل ہیں۔ تم کو مجھ جیسا خسر ملا۔ مجھ کو مجھ جیسا خسر نہ ملا۔ تم کو میری بیٹی جیسی صدیقہ ملی۔ مجھ کو ایسی نہ ملی۔ تم کو حسنین جیسے بچے ملے مجھ کو ان جیسے بچے نہ ملے۔ مگر تم سب میرے اور میں تمہارا ہوں۔ یہ وہ شرف ہے جس کا ذکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم یوں فرماتے ہیں لم یخلق علیٌ ما کان لفاطمة کفوٌ جامی نے اس کا ترجمہ خوب فرمایا ہے

گر علی خود نمی شدے مخلوق ہم نمی داشت فاطمہ ہمسر

حضورؐ نے ارشاد فرمایا فاطمة بنت محمد سیدة نساء العالمین سیدة نساء المومنین سیدة نساء اھل الجنة (امام احمد از حضرت عائشہ رضؓ) اور فرمایا یا فاطمة الاترضین ان تکونی سیدة نساء العالمین وسیدة نساء المومنین وسیدة نساء هذه الامة ط (حاکم از حضرت عائشہ ذہبی نے تلخیص میں کہا کہ یہ حدیث صحیح ہے مستدرک ج۳ ص۱۵۶

سیدۂ نساء عالمیاں وسیدۂ نساء امت وسیدۂ نساء اہل جنت کے شوہر بننے کا شرف اسی کا حصہ تھا جو زبان رسالت سے امیر المومنین سید المسلمین (حاکم۔ بزار۔ ابن مردویہ۔ ابونعیم) سید دارین (احمد وحاکم) نبیوں اور رسولوں کے سوا باقی ساری اولاد آدم کا سردار (ابن مردویہ وخوارزمی) امام البررہ (حاکم) نفس رسول اللہ (خوارزمی۔ ابن نجار وابویعلی) نظیر رسول اللہ (طبرانی۔ ابوجعفر طبری۔ دیلمی وابن عساکر) خدا اور رسول

کے محبوب ترین (نسائی، حاکم، امام احمد) ہونے کا شرفیاب تھا۔
مولانا کے عندیہ میں جناب علی درجۂ دوم کے شخص ہونگے مگر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپ اعلےٰ درجہ کے انسان تھے محبوب خدا ورسول تھے (بخاری و مسلم، حاکم و ترمذی نسائی) بہترین خلق تھے (علیؑ خیر البشر من ابیٰ فقد کفر۔ رواہ ابن مردویہ عن حذیفہ والحاکم عن ابن مسعود و احمد والخطیب عن جابر و ابو یعلےٰ و الشاذان عن علی) اول مومن۔ اعلم باللہ اور اعظم عند اللہ تھے (احمد و دیلمی عن عمر بن الخطاب والحاکم عن ابی ہریرہ) اہلبیت نبی تھے نحن اهل البیت لا یقاس بنا احدٌ (رواہ ابو نعیم فی الحلیة وابن نجار وابو یعلےٰ والخطیب فی المتفق والمفترق)

انذارِ عشیرۃ الاقربین

جناب امیرؑ فرماتے ہیں کہ بعثت کے چوتھے سال وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی اور اپنے قریبی رشتہ داروں کے انذار کا آپ کو حکم ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ دعوت کا سامان یعنی گوشت روٹی اور دودھ مہیا کروں اور بنو عبدالمطلب کو دعوت دے دوں تقریباً چالیس بنی عبدالمطلب جن میں آپ کے چار چچا۔ ابو طالب۔ ابولہب۔ حمزہ اور عباس بھی تھے۔ دعوت پر آئے۔ بعد طعام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں مخاطب فرمایا کہ خدا نے کل بنی آدم پر اور خصوصاً تم پر مجھے اپنا رسول بنا کر بھیجا ہے کون تم میں سے میرا شریک کار اور حامی ہو سکتا ہے اور اسکے معاوضہ میں میرا بھائی میرا وزیر اور میرا خلیفہ ہوا چاہتا ہے۔ تین مرتبہ کے بعد بھی کسی نے جواب نہ دیا تو میں نے کہا میں سب میں کم سن۔ کمزور اور ناتواں ہوں۔ مگر میں تا زیست آپکا ساتھ دونگا اور آپکا ممد و معاون رہونگا۔ اس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے میری پیٹھ ٹھونکی اور قوم سے فرمایا (هذا اخی ووصیی ووزیری وخلیفتی فیکم واسمعوا له واطیعوا۔ یہ میرا بھائی میرا وصی میرا وزیر اور تم میں میرا خلیفہ اور نائب ہے اسکی سنو اور اطاعت کرو۔"

ہماری برادری نے اس کا مضحکہ اڑایا۔ اور میرے باپ ابوطالب سے کہا لو اب اپنے بیٹے کی اطاعت کرتے رہو۔

تقریباً انھیں لفظوں میں یا کم و بیش یہ واقعہ مسند امام احمد و مناقب امام احمد و مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ و خصائص نسائی و سیرت بن اسحاق و تاریخ طبری و تہذیب آثار طبری و دلائل بیہقی و ابو نعیم و تاریخ ابوالفدا و تاریخ خمیس و تفاسیر ابن مردویہ و واحدی و ابن ابی حاتم و معالم بغوی میں موجود ہے (ملاحظہ ہوں۔ خصائص نسائی ص۱۳ مسند احمد ص۳۶۰ جلد سوم کنز العمال جلد ۶ ص۳۹۷ تفسیر معالم بغوی ص۶۶۳ مطبوعہ بمبئی۔ تاریخ ابوجعفر طبری جرمن ص۱۱۷۳ مگر مصر کی مطبوعہ تاریخ طبری جلد ۹ ص۶۸ میں وصیی و خلیفتی کے بجائے کذا و کذا درج ہیں جو موجودہ ذہنیت کا اظہار کر رہے ہیں۔

امام بخاری نے تو غضب ہی کر دیا۔ سرے سے اس واقعہ کا ذکر نہ مذکور بلکہ باب نزول وانذر عشیرتک الاقربین کے تحت آپ نے بخلاف جمہور جو قصہ درج فرمایا ہے وہ کوئی اور ہی ہے۔ نہ اس میں کوئی دعوت کا تذکرہ ہے نہ جناب امیرؑ کا ذکر مذکور ہے اور نہ وزیر و خلیفہ کا کوئی اشارہ یا کنایہ ہے۔ بخاری میں اس کی تین روایتیں ہیں اور تینوں میں بجائے انذار عشیرۃ اقربین کے خلافِ آیتِ قرآنی انذار قریش و قبائل بنی فہر بنی لوئی و بنی عدی وغیرہم مذکور ہے۔

(۱) دو روایتوں کے راوی اول حضرت عبداللہ بن عباس ہیں جو بالاتفاق ارباب سیر و تاریخ ہجرت سے تین سال پہلے مکہ میں متولد ہوئے اور یہ واقعہ انذار عشیرت بعثت کے تین سال بعد ہوا۔ گویا حضرت عبداللہ عالم وجود میں آنے کے سات سال پہلے سے ہی اس واقعہ کے شاہد عینی رہے تھے

(۲) ابن عباس والی روایت کی ابتدا لما نزلت وانذر عشیرتک الاقربین

و رهطك منهم المخلصين سے. بخاری نے کی ہے۔ چونکہ بخاری بعضوں کے نزدیک اصح الکتب ہے لہذا ماننا پڑے گا کہ ورهطك منهم المخلصين بھی آیت قرآنی و کلام ربانی ہے جو انذر عشیرتك الاقربين کا ایک ٹکڑا ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر نازل تو ہوئی مگر بعضوں نے اس کو قرآن سے خارج کر دیا (نعوذ باللہ)۔ بخاری کو مانیں کیوں اور ان تاویلات میں پڑے کیوں؟

(۳) تیسری کے راوی اول حضرت ابوہریرہ ہیں جو باتفاق سنہ ۷ھ میں بمقام خیبر یا دوران سفر خیبر مسلمان ہوئے اس وقت آپکی مسیں بھیگنے لگی تھیں اور آپ کا سن وفات سنہ ۵۷ھ یا سنہ ۵۹ھ ہے گویا آپ بھی اس انذار عشیرت کے وقت دو تین سال کے ماشاء اللہ ہوں گے اور اس عمر میں بقول بخاری آپ نے اس قصہ کا معائنہ فرمایا تھا!!

(۴) روایت ابوہریرہ میں حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی مخاطب الفاظ "اے فاطمہ اپنی آپ دیکھ لو محمد تمہارے لئے کچھ نہیں کر سکتے" (نعوذ باللہ) ہوئی ہیں۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ بقولے سہ سالہ و بقولے چار سالہ یا پنج سالہ لڑکی نہ اسکی مخاطب بن سکتی ہے اور نہ ان الفاظ کی وہ مستحق ہو سکتی ہے۔ خصوصاً جب کہ حضرت فاطمہ یوم گویائی ہی سے کلمہ گو رہی ہیں اور یہ مخاطبت محض کفار سے تھی۔ ابن حجر جیسے سرپرست بخاری بھی فرماتے ہیں وفی نداء فاطمة يومئذ ايضاً ما يقتضي آخر القصة لانها كانت حينئذٍ صغيرة (فتح الباری جلد ۳ صا۳)

(۵) امام بخاری نے انذار عشیرت والے قصہ سے گریز فرمایا اور آیت انذر عشیرتك الاقربين کے تحت نزول تبت یدا والے قصہ کو صفا کو اس لئے یہاں درج فرمایا کہ جناب امیر کا کوئی ذکر بذکور نہ ہونے پائے حالانکہ

نزول آیت وانذر عشیرتک الاقربین کے تین سال بعد کوہ صفا والا معاملہ ہوا اور سورہ تبت نازل ہوئی۔

(۶) تمام مفسرین اور مورخین اہل سیر اور محدثین کا اتفاق ہے کہ نزول تبت یدا ابی لھب بعد محاصرۂ شعب ابی طالب ہوا۔ محاصرہ یکم محرم ۷ بعثت کو شروع ہوا۔ اور تین سال رہنے کے بعد ۱۰ نبوی کو ختم ہوا۔ اور انذار عشیرت سن چار نبوی میں ہوا۔ نہ معلوم بخاری نے کس مصلحت کی بنا پر واقعہ انذار عشیرت کو حذف کرکے اس کی جگہ ایک چار سال بعد والے واقعہ کوہ صفا کو آیت انذار عشیرت کے تحت درج فرمایا۔

(۷) معاہدۂ قریش کی رو سے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب جب محصور ہو گئے .... تو ابولہب بنی عبد المطلب سے جدا ہوا اور قریش سے جا ملا۔ فلما فعلت ذلک قریش اجتازت بنو ہاشم وبنو عبد المطلب الی ابی طالب فدخلوا معہ فی شعبہ واجتمعوا الیہ وخرج من بنی ھاشم ابولھب الی قریش (سیرت ابن ھشام جلد اول ص ۱۲۳ و تاریخ طبری جرمن)

(۸) یہ محاصرہ ۷ نبوی سے شروع ہوا اور ۱۰ نبوی کے پہلے دن ختم ہوا (فی التاریخ الخمیس ص ۳۳۵ فی السنۃ السابعۃ من النبوۃ او الثامن منہا علی مافی المنتقی تقاسمت قریش وتعاھدوا علی معاداۃ بنی ھاشم وبنی عبد مطلب گویا نزول تبت یدا ۱۰ اور واقعہ صفا بعد ارتفاع محاصرہ یعنی ۱۰ نبوی میں واقع ہوا۔

امام بخاری کی مصلحتوں کو وہی جانیں مگر آپ کے حذف واقعہ انذار عشیرت اقربین اور اندراج واقعہ کوہ صفا و نزول تبت یدا اور بابہ وانذر عشیرتک الاقربین سے آپ کے ہوا خواہ ابن خزیمہ و اسماعیلی بھی چکرا گئے اور آخر انھیں کہنا پڑا کہ انذار عشیرت والا معاملہ صدر اسلام کا ہے جب کہ نہ ابن عباس پیدا ہوئے تھے

اور نہ ابو ہریرہ سے کوئی واقف تھا۔

بخاری کی روایت انذار عشیرت کی اب کیا حیثیت رہ جاتی ہے جب کہ اس کے ایک راوی ابن عباس اس وقت پیدا ہی نہ ہوئے تھے اور دوسرے راوی ابو ہریرہ بمشکل ڈھائی تین برس کے ہوں تو ہوں۔ انذار عشیرت والی حقیقی روایت کو ترک کر کے کوہ صفا والی روایت کو آیت وانذر عشیرتک الاقربین کے تحت درج کرنا اور شاہد عینی جناب علی سے روایت نہ لیکر ایسی ہستی سے اس کو مروی کرنا جو عالم وجود ہی میں نہ آئی ہو اور واقعہ کے وقت اُس کے پیدا ہونے ہی میں سات برس اور باقی ہوں یقیناً اصح الکتب کے شایان شان ہے۔

بخاری کے چھپائے نہ چھپنے والے واقعہ انذار عشیرت کا تذکرہ تفسیر خازن تفسیر سراج منیر۔ تفسیر ثعلبی۔ تفسیر واحدی۔ تفسیر ابن مردویہ۔ تفسیر ابن ابی حاتم۔ تفسیر معالم التنزیل امام بغوی۔ کنز العمال۔ دلائل بیہقی۔ دلائل ابونعیم۔ حلیۃ الاولیاء۔ ذخیرۃ المآل عجیلی۔ مختارہ ضیاء مقدسی۔ تہذیب الآثار طبری۔ اکتفاء عاطمی۔ کامل ابن اثیر۔ تاریخ ابو الفداء تاریخ روضۃ الصفا۔ تاریخ حبیب السیر معارج النبوۃ۔ مدارج النبوۃ۔ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ صاحب میں موجود ہے۔ اس کا انکار اور اخفاء ممکن نہیں۔

علاوہ بریں مصنفین یورپ نے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے چنانچہ (۱) جان ڈیون پورٹ اپنی کتاب اپالوجی میں لکھتے ہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دو مرتبہ اپنے مخالفین کی دعوت کی اور اپنی تقریر اس پر ختم کی۔ کہ کون میرا ساتھ دیگا اور میرا وزیر اور خلیفہ بنے گا کسی نے جواب نہ دیا۔ نوجوان بہادر علی نے للکار کر کہا "میں آپ کا ساتھ دونگا۔ اس پر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کہا تو میرا بھائی میرا وزیر اور خلیفہ ہے"

(۲) کارلائل اپنی کتاب ہیروز میں لکھتے ہیں۔ اگرچہ یہ مجمع جس میں علی رضی کے والد ابوطالب بھی تھے کھلم کھلا محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کا ابھی تک مخالف نہ تھا مگر سب کو اس کا اچنبھا تھا کہ ایک ادھیڑ آدمی اور پندرہ سالہ لڑکا دنیا کو اپنا رام کریں گے مضحکہ خیز تھا مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ دعوے درست تھا۔

(۳) اروِن اپنی کتاب خلفائے محمد میں لکھتے ہیں کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) نے دوبارہ بنی ہاشم کو اپنے گھر بلایا اور انکی ضیافت کی اور پھر کھڑے ہوکر خدا کے الہامی حکم سے انھیں نئے دین پر بلایا۔ اور کہا "کون میرے اس امر میں میرا وزیر اور میرا جانشین ہوگا۔ سب تو چپ رہے مگر نوجوان علی نے کہا "میں حاضر ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی باہیں علی کی گردن میں ڈال دیں۔ اور سینہ سے لگایا اور باآواز بلند کہا تم سب لوگ میرے بھائی۔ میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھ لو اور اسکی فرماں برداری کرو اس پر لوگوں نے ایک قہقہہ لگایا اور اس کم سن خلیفہ کے باپ ابوطالب سے کہا اب بیٹے کے سامنے جھکے رہیے

(۴) گبن اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس مجمع میں ایک علیؓ ہی نے آپکا ساتھ دیا اور آپ کے وزیر اور جانشین بنے۔

بزعم فاروق صاحب اگر پنڈت جی نے تذکرۂ احد میں حضرات شیخین کی توہین کی ہے تو واقعات مشہور کے خلاف اور منافی ادب ہے۔ اُس کا جواب آپ کو توہین جا[ننے والے]

میرے دینا چاہیے تھا۔ بخاری و مسلم امام احمد و ابوحاتم ابن ابی شیبہ و ابن اسحق تو یک زبان ہوکر کہیں کہ احد کے دن مہاجرین میں حضرات علی و ابوبکر و ابن عوف وسعد و طلحہ و زبیر و ابوعبیدہ حضور کے ساتھ ساتھ تھے اور انصار میں حضرات ابودجانہ سہل بن حنیف اسید بن حضیر۔ خباب بن منذر۔ انس بن نضر۔ سعد بن معاذ اور عاصم جمے کے جمے رہے۔ اس کے خلاف کوئی اگر ہزار کہے تو مانے کون؟ رہا صحابہ کا انتشار خصوصاً بعد خبر شہادت سید ابرار ایک فطری امر تھا جب سر ہی نہ رہا تو دستار کہاں اُنھیں تو خداوند تعالےٰ ولقد عفا اللہ عنھم کی تحریری معافی دیں اور دوسری طرف ہم انھیں خاطی اور مجرم بنائیں!!

مولانا کا بار بار یہ کہنا کہ حضرت علیؓ ایک معمولی سپاہی تھے اور شیخین وزراء تھے۔ یقیناً ہجو ملیح ہے۔ توہین خلفاء اگر عادت ثانیہ تھی تو قلم ہی نہ اُٹھاتے۔ یاران رسول[اللہ]

کی ہجو ہی اگر مضمون نگاری ہے تو ایسی مضمون نگاری کو ہمارا دور سے سلام ہے

جناب امیرؑ نہ صرف معمولی سپاہی تھے۔ بلکہ امت بھر کی طرف سے آپ مجاہد تھے اور کفی اللہ المومنین القتال (بعلیؑ) کے مصداق تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اسکی تفسیر میں فرمایا کہ ساری امت کی طرف سے اللہ تعالیٰ نے جناب امیرؑ کا جہاد قبول فرمایا (ابن ابی حاتم۔ ثعلبی، واحدی، حافظ ابن عساکر خطیب و در منثور سیوطی) مہبط وحی کا فتح تھے۔ ابن اسحاق امام احمد اور ابو الحسن بن عرفہ عن ابی رافع و ابن عباس بریدہ و جابر رضی اللہ عنہم و مرویہ قسطلانی و زرقانی و طبری و سبط ابن جوزی و خوارزمی و شیخ دہلوی و صاحب روضۃ الاحباب۔ (۳) بشارت یاب لم یرجع حتی یفتح اللہ علیہ تھے (ابن اثیر از بریدہ و ابن ابی شیبہ و احمد و بزار و حاکم و نسائی و طبری از ابو بردہ۔ و ابن ابی شیبہ و حاکم و بزار و احمد از امام حسنؓ) (۴) مخاطب کنت ادغیرہ ۳۳ اپ تھے۔ (نسائی و احمد از ابن ابی لیلےٰ و ابن اسحاق از حضرت ام سلمہ و امام احمد و ابن جریر طبری و ابن ابی شیبہ از حضرت علی و دار قطنی و خطیب و ابن عساکر از حضرت عمر (۵) ہمرکاب جبرائیل و میکائیل تھے (احمد و ابن ابی شیبہ و طبری و خطیب و ابن عساکر از حضرات عمر و علی) (۶) علم بردار نبی تھی (وھو الذی کان لواءہ معہ فی کل زحف ترمذی و نسائی و ابن عبد البر و بزار از ابن عباسؓ) (۷) حامل لواء احمد بروز حشر یہی ہیں (ابن حبان از جابر بن سمرہ و محی از علی، دیلمی از انس۔ شاذان از علی و احمد از ابن عباس و ابن اثیر از ثعلبہ راوی ہیں کہ حضور نے فرمایا بروز قیامت علی ہی حامل لواء احمد ہوگا) (۸) جنگ بدر کے ہیرو تھے (سیرت ابن اسحق طبری مسند احمد۔ صحیح حاکم۔ ابن اثیر اور سیرت النبی جلد اول ص ۲۵۷) (۹) احد کے سورما تھے (ابن اسحاق۔ حاکم، احمد اور مدارج شیخ دہلوی فرماتے ہیں وے رضی اللہ عنہ حق مبارزت و محاربت و جلادت و شجاعت بجائے آورد کہ فوق آن تصور نتوان کرد۔ می گویند چون علی مرتضیٰؑ این مردانگی کرد و نصرت داد جبرائیل با آنحضرت صلعم گفت کہ این کمال مواساۃ و جوان مردی است کہ علیؑ با تو می بُرد۔ آنحضرت فرمود انہ منی و انا منہ

آنگاہ جبرائیل فرمود انا منکما بعد ازاں آواز غیب شنیدند لا فتیٰ الا علی لا سیف الا ذوالفقار" اس ندائے آسمانی کی تصدیق سیرت ابن اسحاق میں ابن عباس سے اور مسند احمد میں بریدہ سے کامل ابن عدی میں ابورافع سے اور ابوجعفر کی تاریخ میں ابن عباس سے صفحہ ۲۰۱ پر ہوتی ہے۔ امام سیوطی نے حضرت علیؑ سے قسطلانی نے مواہب میں ابن عباس سے۔ محب طبری نے ریاض میں۔ خوارزمی نے مناقب میں۔ سبط ابن جوزی نے تذکرہ میں۔ جمال الدین محدث نے روضۃ الاحباب میں اور فضل اللہ روزبہان نے کشف الغمہ میں تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے (۱۰) فاتح جنگ احزاب تھے (شیخ دہلوی مدارج میں فرماتے ہیں" القصہ محاربہ و مقاتلہ میان دو لشکر واقع شد خصوصاً از علی مرتضیٰ اندرین غزا مبارزتہا و مقاتلہ ہا واقع شد از حد قیاس و عقل بیرون چنانچہ در اخبار وارد شدہ است لمبارزۃ علی یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیمۃ یوم خندق والی علیؑ کی لڑائی میری امت کے اعمال تا قیامت سے افضل ہے۔ اسکی روایت حاکم نے صحیح میں دیلمی نے فردوس میں خوارزمی نے مناقب میں فخر رازی نے اربعین میں۔ شیرازی نے القاب میں اور جمال محدث نے روضۃ الاحباب صفحہ ۳۲۷ میں کی ہے (۱۱) فاتح باب خیبر تھے۔ جسکی روایت ابن ابی شیبہ و بیہقی و ابونعیم وحاکم و جابر بن سمرہ سے اور محمد بن اسحاق نے ابورافع سے کی اور جسکی تخریج قسطلانی نے مواہب میں۔ ابن حجر نے صواعق میں اور ابوجعفر طبری نے تاریخ کبیر میں کی ہے (۱۲) وزیر رسول اللہؐ تھے۔ حدیث متواتر منزلت اور حدیث انت اخی وصاحبی ووزیری مروی ہے امام احمد و نسائی و طبرانی و حاکم و ابن مردویہ اس کے دو شاہد دل میں (۱۳) مشکلکشائے غزوۂ حنین تھے۔ ابن اسحاق نے سیرت میں ابن ہشام نے اپنی سیرت میں، حاکم نے اپنی صحیح میں، امام احمد نے اپنی مسند میں حضرات جابر و ابورافع سے اسکی روایت کی ہے۔ ابن قتیبہ نے معارف اور کتاب امامت و سیاست میں، ابن عساکر نے تاریخ میں اور ابن مندہ نے حضرت انس سے اور ابوبکر بن ابی شیبہ

نے بھی حضرت انس سے اسکی روایت کی کہ حضرت علیؑ کی جیداری اور مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا اور چالیس پہلوانوں کو آپ نے اُس دن قتل کیا۔

تذکرۂ حدیبیہ میں فاروق صاحب کا یہ فقرہ "لیکن حضرت عمر اور حضرت علیؑ کی حیثیت میں فرق تھا" دل جلا فقرہ ہے۔ جسکی کوئی اصلیت نہیں۔ آیت نہیں حدیث نہیں جس کو مانئے۔ وزیر کی حیثیت سے ہو یا خلیفہ کی دونوں ہم پلہ اور مساوی تھے بلکہ جناب امیر میں اہلبیتِ رسولؐ۔ نفسِ رسولؐ اور خونِ رسولؐ ہونے کی وجہ سے ایک خصوصی بات اور بھی تھی جس پر مرفوع شہادتیں بکثرت ہیں (میرا اور علی کا خون ایک ہے) مرویہ ابونعیم و ابن عساکر از ابن مسعود دیلمی و عقیلی از ابن عباس، خوارزمی و طبرانی از حضرت علی، ابویعلےٰ از ام سلمہؓ) علی میرا نفس ہے (مرویہ ابن نجار از عمرو بن العاص و نسائی و دارقطنی از حضرت علی و ابویعلےٰ از عبداللہ بن عمرو بن العاص و امام نطنزی از حضرت عائشہ و حاکم از جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہم۔ میرے جان کو میرے جسد سے جو نسبت ہے وہی نسبت علی کو مجھ سے ہے۔ اسکی روایت ابن نجار نے اور متقی نے حضرت ابن مسعود سے کی ہے۔ علاوہ بریں خود جناب امیر فرماتے تھے کانت لی منزلۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یکن لاحد من الخلائق (مرویۂ احمد و نسائی و حاکم از حضرت علیؑ و حدیث ام سلمہ کان لعلی منزلۃ الخ مرویۂ حاکم۔ یہ حیثیت اور منزلت فاروق صاحب سے غالباً پوشیدہ نہ ہوگی۔

* حضرت [illegible] کی حیثیت سے ہوا

حدیث خیبر میں امام بخاری نے کرار غیر فرار کا ٹکڑا اگر ترک کر دیا تو ہوا کیا۔ بخاری کے سارے ہمسروں بلکہ بخاری کے اساتذہ کی روایتوں میں یہ ٹکڑا جیسے کا تیسا موجود ہے۔ چنانچہ ابنِ اسحاق ابنِ ہشام اور حلبی نے سیرتوں میں حضرت ام سلمہ سے نسائی و احمد نے ابویعلےٰ سے مناقب میں۔ ابن ابی شیبہ و احمد و ابن جریر طبری نے حضرت علیؑ سے۔ دارقطنی و خطیب و ابن عساکر نے حضرت عمر سے۔ طبرانی و بیہقی نے حضرت جابر سے۔ بزار نے ابویعلےٰ سے۔ امام احمد نے بریدہ اسلمی

سے۔ طبرانی نے ابن عمر سے اور بزار نے ابن عباس سے اسی حدیث خیبر کو "کرار غیر فرار" کے ٹکڑے کے ساتھ روایت کیا ہے۔ رہی خلفاء کرام کی توہین وہ ابھی دونوں صاحبوں کا حصہ ہے۔

حضرت ابوبکر و عمر کا جنگ خیبر سے بے فتح کئے لوٹ آنا اُنکی توہین کا باعث نہیں جیت ہار تو خدا کے ہاتھ ہے۔ جنگ احد کی مثال موجود ہے۔ اور جنگ حنین کا دن بھی یاد مگر مولانا نے حالتِ غضب میں یہ غضب کر دیا کہ صفین میں جناب امیرؑ کی شکست بتائی۔ لم یرجع حتی یفتح اللہ علیہ یہ جسکی شان ہو اُس نے کہیں نہیں کہیں نہیں صرف صفین میں شکست اُٹھائی۔ شکست تو امیر معاویہ نے اُٹھائی اور قرآن نیزوں پر اُٹھایا۔ تاکہ جناب امیر کا فاتح لشکر بددل ہو مگر آپ کی کمالِ عقیدت نے اس کو بھی جناب امیرؑ کی طرف پھیر دیا انا للہ وانا الیہ راجعون

اس پر مزید اضافہ "رہی علی کی کراری غیر فراری" تو اس کا کتنا نمایاں ثبوت ہے کہ آنحضرتؐ نے اُن کو کبھی پوری فوج کا سپہ سالار نہ بنایا۔ بلکہ ہمیشہ ایک سپاہی یا معمولی حیثیت کے افسر کے طور پر رکھا۔" جلے دل کا پھپھولا ہے۔ دعوے تو یہ ہے کہ علیؑ کی کراری غیر فراری غلط اور اُسکی دلیل یہ کہ کبھی اُنھیں فوج کا سپہ سالار نہ بنایا دعوے کیا اور دلیل کون سی۔ سبحان اللہ۔ بتایا تو یہ ہوتا کہ علی فلاں فلاں لڑائیوں سے بھاگ نکلے تھے لہذا اُنکی کراری غیر فراری غلط ہے۔ بخاری کی نہیں نہ سہی کسی ضعیف سی روایت ہی سے یا ضعیف بھی نہ ملتی ہو تو جھوٹی اور موضوع روایت ہی سے ثابت کیا ہوتا کہ علی مرتضیؑ لڑائی سے بھاگ گئے تھے۔ مولانا آپ تو کیا ساری امت بھی اسکو نہیں بتا سکتی کہ علی فراری تھے۔ بات اتنی ہے کہ علی کی کراری غیر فراری کو جو نقلاً و عقلاً روایتاً و درایتاً علماً و عملاً ثابت ہے اور جو خار سی کھٹکتی ہے غلط ثابت کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔ آخر علیؑ کرار غیر فرار ہی ثابت رہے۔ صدق اللہ ورسولہ۔

رہی علی کی سپہ سالاری ۔ حضور نے تو اپنے عہد مبارک میں کسی کو بھی پوری فوج کا سپہ سالار نہ بنایا۔ اسکی نہ کوئی مرفوع شہادت ہے نہ موقوف ۔ بڑی جنگوں میں تو خود بدولت سپہ سالار رہے ۔ سریوں میں البتہ اپنے صحابیوں کے زیر کمان تین سو چار سو سپاہیوں کو مختلف مقامات پر بھیجا۔ جس میں حضرت علیؑ بھی گئے اور حضرت عمر بھی اور حضرت ابوبکر بھی۔ اور حضرت ابوعبیدہ بھی (مواہب زرقانی ابن ہشام تاریخ طبری و ابن اسحاق)

فتح مکہ کی دوش نشینی کا تذکرہ صحیح بخاری میں نہ ہونا۔ نفی واقعہ کا انوکھا استدلال ہے ۔ جس واقعہ کی روایت امام احمد و ابوبکر ابن ابی شیبہ اور ابو جعفر طبری و حاکم ونسائی وحاکمی و امام قسطلانی و زرقانی جلد دوم ص ۳۸۵ شرح مواہب میں کرتے ہیں اس کو نسیاً منسیاً کر دینا آپ ہی کی جرات ہے ۔ حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی تو ازالۃ الخفا میں اس کا ذکر کیا ہے ۔

حنین میں بروایات ابن قتیبہ و حارث بن اسامہ و ابویعلیٰ و ابن عساکر و خطیب و ابن اسحاق ۔ جناب امیر و حضرت عباس و ابوسفیان بن حارث و زبیر بن اسامہ بن زید و عقیل و عبداللہ بن زبیر بن عبدالمطلب کا آنحضرتؐ کے ساتھ ساتھ رہنا ثابت ۔ خصوصاً جناب امیرؑ کی پامردی و جانبازی بروایت ابویعلیٰ و طبرانی و ابن ابی شیبہ و زرقانی از انس و جابر مسلم اور جناب امیرؑ کا چالیس پہلوانوں کو قتل کرنا بروایت ابن ابی شیبہ حضرت انس سے منقول اور علامہ ابن عبدالبر کی روایت سے صرف علیؑ عباس سفیان اور عمر کا ثبات مروی مگر ابن اسحاق کی روایت سے علی ۔ عباس و فضل بن عباس ۔ ابوسفیان و جعفر بن ابی سفیان ۔ و ربیعہ بن حارث اور اُسامہ بن زید کا ثابت قدم رہنا مسطور (استیعاب جلد ۲ ص ۴۹۰ ۔ ابو جعفر طبری نے تاریخ کے ص ۱۲۶۱ پر لکھا ہے کہ آنحضرتؐ کے ہمراہ حنین میں مہاجرین سے ابوبکر و عمر اور اہلبیت سے علیؑ عباس فضل بن عباس و ابوسفیان بن حارث ربیعہ بن حارث و ایمن

بن عبید و اُسامہ بن زید ثابت قدم تھے اور ابن ہشام نے بھی یہی نام بتائے ہیں مگر بخاری نے حضرت عمر کا نام مفرورین میں لکھا ہے۔ نعوذ باللہ۔ ابن عساکر نے لکھا ہے کہ علی و عباسؓ و ابوسفیان و عقیل و عبد اللہ بن زبیر و زبیر بن العوام اور اُسامہ آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے مگر بعد کے محقق علامہ قسطلانی نے اس کا جو ریویو کیا ہے وہ صحیح معلوم ہوتا ہے فرماتے ہیں:۔ ولم یثبت مع النبی صلے اللہ علیہ وسلم یومئذ الا العباس و علی و الفضل و ابوبکر و عمر و اسامۃ بن زید فی اناس من اھل بیتہ و اصحابہ (مواہب) جو بمطابقت روایات اولین ابوسفیان و ربیعہ و عقیل و عبد اللہ بن زبیر بن عبد المطلب و زبیر بن العوام و عبد اللہ بن مسعود پر مشتمل ہے

سرگوشی طائف بزعم مولانا سرگوشی پر صرف ریاض نضرہ کی تنہا روایت نہیں بلکہ ترمذی نسائی و طبرانی کی حدیث جابر اور ابویعلےٰ اور ابن ابی شیبہ و ابن حبان والی روایت ابن عباس بھی موجود ہے۔ ما انا نجیتہ و لکن اللہ انتجاہ میں نے نہیں بلکہ میرے خدا نے علیؑ سے راز میں گفتگو کی تھی۔ دنیا کو دکھا رہی ہے کہ علیؑ مخاطب حق سبحانہ ہیں۔

حدیث منزلت یہی ایک حدیث وہ بھی مرویۂ بخاری ہونے کی وجہ سے مولانا کے نزدیک صحیح اُتری تھی۔ مگر پھر بھی مولانا سے رہا نہ گیا فرماتے ہیں "لا نبی بعدی کے بعد اس کی خصوصیت ہی کیا؟ صرف اہل و عیال کی نگرانی جو ظاہر ہے کہ کوئی شرف نہیں" اے سبحان اللہ! مولانا! اس حدیث کی خصوصیت لا نبی بعدی کے بعد بھی (لو کان نبی بعدی لکان عمر کے ہم پلہ ہے۔ اگر نبوت باقی رہتی تو یہ دونوں نبی ہوتے۔ کوئی معمولی شرف نہیں! منزلت ہارونی اور اس میں آپکی یہ آنا کانی۔ یہ حدیث کسی کو بھلی

لگے یا بُری - مگر واقعہ یہی ہے کہ علیؑ کی منزلت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بالکل وہی ہے جو ہارونؑ کی موسےؑ کے نزدیک تھی - کس کی مجال جو جناب امیرؑ کے یا جناب صدیق کے فضائل کا اندازہ کر سکے یا اُن میں کمی کرے - صرف ایک فضیلت جناب امیرؑ سے اتنا سٹ پٹا گئے - سُنیئے ائمہ حدیث آپکی نسبت کیا کہ رہے ہیں -

ماجاء لاحد من اصحاب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من الفضائل بالاسانید الحسان ماجاء لعلی بن ابیطالب (صحیح حاکم جلد ۳ ص ۱۰۷ و استیعاب جلد دوم ص ۴۷۹) یہ قول حدیث کے امیر المومنین احمد بن حنبل کا ہے - یہ قول امام نسائی کا ہے - یہ قول ابو علی نیشاپوری کا ہے - یہ قول قاضی اسماعیل مالکی کا ہے - یہ قول علامہ بن عبد البر کا ہے - یہ قول امام المحدثین ابو عبد اللہ حاکم کا ہے -

ابن عبد البر استیعاب جلد دوم ص ۴۷۹ میں فرماتے ہیں کہ جتنی حدیثیں باسانید جید جناب امیرؑ کی شان میں وارد ہوئی ہیں اتنی کسی بھی صحابی کی شان میں نہیں آئیں - اور حاکم صحیح کی جلد سوم ص ۱۰۷ میں لکھتے ہیں کہ احمد ابو یعلے اور نسائی کی یہ تحقیق ہے کہ جتنی حدیثیں باسانید جید جناب امیرؑ کی شان میں آئی ہیں اتنی کسی اور صحابی کی شان میں آئی نہیں -

حافظ ابن حجر عسقلانی، امام نودی، عراقی، ابن حجر مکی، ملی القاری، علی المتقی صاحب روضۃ الاحباب اور حضرت شاہ ولی اللہ بھی یہی فرما رہے ہیں - مولانا خود ہی اس کا تصفیہ فرمائیں کہ اُن کی کون سُنے گا؟

راویان حدیث منزلت صحابہ سے اس کی روایت حضرات عمرؓ بن خطاب علیؑ بن ابیطالب - سعد بن ابی وقاص، عبد اللہ بن عمر، عبد اللہؓ بن مسعود، عبد اللہ عباس، جابرؓ بن عبد اللہ، ابو ہریرہ، ابو سعید خدری

جابر بن سمرہ ، مالک بن حویرث ، براء بن عازب ، زید بن ارقم ، ابورافع عبداللہ بن ابی اوفیٰ ، حذیفہ ، انس ، مالک ، بریدہ ، ابوموسےٰ اشعری ، ابوایوب انصاری ، عقیل ، حبشی بن جنادہ ، معاویہ بن ابی سفیان ، حضرت ام سلمہ ، حضرت عائشہ ، حضرت حفصہ ، حضرت اسماء بنت عمیس وغیرہم رضی اللہ عنہم نے کی ۔

اور ائمہ محدثین سے امام احمد بن حنبل ، بخاری ، مسلم ، ابن ابی شیبہ ، ابوداؤد ، ترمذی ، نسائی ، ابن ماجہ ، ابن حبان ، ابن خزیمہ ، ابن ابی خیثمہ بزار ، ابویعلیٰ طبری ، ابن عقدہ ، ابوعوانہ ، ابوالشیخ ، طبرانی ، حاکم ، بیہقی ، ابونعیم ، ابن عبدالبر ، ابن مردویہ ، ابن سمان ، ابوسعد ، بغوی ، ابوالحسن ملا ، دیلمی و خوارزمی نے اس کو روایت کیا ہے ۔

حافظ ابن کثیر ، امام جزری ، ابن عبدالبر ، جمال مزی ، ابن حجر ، حاکم ، نسائی ، طبرانی ، ابن تیمیہ ، سیوطی ، ذہبی اور شاہ ولی اللہ نے اس کو حدیث صحیح و متواتر مانا ہے ۔

امام احمد نے مسند و مناقب میں اس کے ذیل میں اسماء بنت عمیس سے باسناد جید روایت کی کہ حضور نے یہ دعا بھی فرمائی اللھم انی اقول کما قال اخی موسیٰ اللھم اجعل لی وزیرا من اھلی اخی علی بن ابی طالب اشدد به ازری واشرکه فی امری کی نسبحك کثیرا و نذکرک کثیرا انك کنت بنا بصیرا ط خدایا میرے بھائی موسیٰ کی طرح میں بھی ملتجی ہوں کہ میرے عزیزوں میں سے میرے بھائی علی کو میرا وزیر بنا اور اس سے میری کمر کو مضبوط فرما اور اس کو میرا رفیق کار بنا تاکہ ہم تیری تسبیح اور تیری یاد بکثرت کریں اور تو ہم کو دیکھ رہا ہے (اس کی روایت طبری نے تہذیب الآثار میں ثعلبی نے تفسیر میں علامہ زرندو ابن الصباغ مالکی نے مناقب میں اور فخر الدین رازی نے

تفسیر میں حضرت ابوذر اور ابن عباس سے، خطیب و ابن عساکر و ابن مردویہ نے اسماء بنت عمیس سے کی ہے ۔

جامی از قافلہ سالار رہِ عشق ترا ⁂ گر بپرسند کہ آں کیست علی گوئی علی

مولانا اسکی خصوصیت اور اہمیت ہم کیا جانیں ۔ امام نووی جیسا شخص ہی جان سکتا ہے ۔ شرحِ مسلم جلد دوم ص۲۷۸ امام نووی فرماتے ہیں :۔ فیه اثبات فضیلة لعلی لا تعرض فیه لکونه افضل من غیرہ او مثله لیس فیه الدلالة لاستخلافه ۔ یعنی اس حدیث سے حضرت علیؓ کی اس فضیلت کا ثبوت ملتا ہے جو آپ کو اپنے ماسوا اور برابر والوں یعنی دیگر صحابہ پر بلا تعرض حاصل ہے مگر اس میں آپ کے استخلاف کی کوئی دلیل نہیں۔ (مسلم جلد دوم ص۲۷۸)

سورہ براءۃ کی تبلیغ	تبلیغ براءۃ کے سلسلہ میں مولانا کا یہ ارشاد کہ حضرت ابوبکر اور حضرت علی کی پوزیشن میں فرق

تھا ۔ حضرت ابوبکر امیر حج تھے اور اس لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام تھے اور منادی کرنے والوں میں علی بھی ایک تھے ۔ اعراض عن الحق اور اعتراض علے الحق ہے ۔

امیر حج تو کئی بزرگ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے ۔ مگر براءۃ کی رسالت ایک ہی کو ملی ۔ اور قیامت تک دوسرے کو مل نہیں سکتی ۔ امام احمد و ابویعلےٰ نے حضرت ابوبکر سے نسائی اور عبداللہ بن احمد نے حضرت علی سے، ابوبکر بن ابی شیبہ احمد ۔ ترمذی ۔ ابو داؤد و نسائی، طحاوی، ابو الشیخ و ابن مردویہ نے حضرت انسؓ سے، نسائی و ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید سے ۔ احمد و ترمذی، نسائی وطبرانی، حاکم اور طحاوی نے حضرت ابن عباس سے اس واقعہ کی یوں صراحت کی ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر کے ہمراہ سورہ براءت کو اہل مکہ

کی تبلیغ کے لئے روانہ فرمایا۔ وحی آئی کہ یا تو آپ بہ نفس نفیس اسکی تبلیغ فرمائیں یا کسی اپنے عزیز سے کروائیں۔ آپ نے سیدنا علیؓ کو اس حکم کے ساتھ متعاقب روانہ فرمایا کہ تم ابوبکر سے سورہ برائت لے لو اور خود اہل مکہ کو سناؤ کیونکہ حکم خدا یہی ہے کہ اسکی تبلیغ میں کروں یا تم۔ لا یؤدی الا انا او علیؓ

ہماری نگاہوں میں تو دونوں حضرات دو مختلف جہات سے نائبان رسالتمآب تھے۔

امارت یمن اس سلسلہ میں مولانا سے کچھ اور بن نہ پڑا تو جناب امیرؑ کی انتظامی ناقابلیت کا شکوہ کر دیا۔ طرفہ یہ ہے کہ امام ابو یوسفؒ جیسا امام فن فقہ اپنی کتاب الخراج میں جناب امیر کی سیاست مدن اور انتظام کی تعریفیں کرے اور آپ کی تحسین کے پل باندھے۔ اور نقاد حدیث و تاریخ، طبری آپکی اس خصوصی خداداد قابلیت کی ثنا گوئی کرے اور دوسری طرف مولانا فاروقی اسکی مذمت کریں۔

سیرت ابن اسحاق و سیرت ابن ہشام، شرح زرقانی، فتح الباری، عمدۃ القاری و ترمذی و ابن ابی شیبہ میں ہم نے بھی امارت یمن کا قصہ پڑھا ہے۔ کسی جگہ جناب امیرؑ کی انتظامی ناقابلیت کا کوئی ریمارک ہمیں نظر نہ پڑا۔ البتہ نسائی نے اتنا لکھا ہے کہ بنی زبیدہ پر جب مسلمان فتحیاب ہوئے تو سبایا سے جناب امیرؑ نے ایک لونڈی اپنے لئے خاص کر لی جس پر حضرت خالد نے بذریعہ بریدہؓ اسلمی بارگاہ نبوت میں شکایت پیش کی۔ شاکیوں پر عتاب ہوا اور فرمایا ماتریدون من علی وھو مولیٰ کل مومن ومومنۃ اور صراحت فرما دی کہ خمس میں اس سے بڑھکر علیؓ کا حق ہے فان لہ فی الخمس اکثر من ذالکؐ (بخاری) اور جناب امیرؑ کون ہیں دکھا دیا۔ ماترید فی رجل یحبہ اللہ ورسولہ (ترمذی ونسائی عن البراء) مولانا کو نہ معلوم آپ کی ناقابلیت کا سراغ لگا کہاں سے؟

حجۃ الوداع کا واقعہ اس تذکرہ میں مولانا فرماتے ہیں۔ پہلی حدیث بے اصل!

اور حدیث غدیر خم اُس سے زیادہ بے اصل!! ؎

میں نے کہا کہ دعوئے الفت مگر غلط ؛ کہنے لگے کہ ہاں غلط اور کس قدر غلط

جو بات کی خدا کی قسم لاجواب کی۔ بخاری بھی ہوتے تو ذرا جھجکتے۔ آپ کی طرح اس قدر بے ساختہ نہ کہتے۔ حدیث کیا ہوئی گھر کی کھیتی ہوگئی۔ مولانا جس پہلی حدیث کو آپ نے بے اصل کہا ہے وہ حدیث ثقلین ہے جس کو بڑے بڑے ائمہ حدیث اور ثقات فن مثل امام زہری، ابن اسحاق، ابن سعد، احمد، ابن ابی شیبہ ابو خیثمہ، ابن جریر طبری، عبد بن حمید، دارمی، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، بزار، ابو یعلے، دولابی، ابن خزیمہ، ابن عبدالبر، ابن عقدہ، طبرانی، بیہقی ابونعیم، حاکم، خطیب، حمیدی، دیلمی، خوارزمی اور شاہ ولی اللہ نے روایت کیا ہے اور جس کی ابن حجر، نووی، عینی، سبکی، مکی، زرقانی، شوکانی، سیوطی، متقی، دہلوی اور شاہ ولی اللہ نے تخریج کی اور معتمد کہا۔ بھلا آپ کے یا کسی کے بے اصل کہہ دینے سے بے اصل ہو سکتی ہے؟

رہی دوسری حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ جو صحیح اور مشہور و متواتر ہے یہ اگر آپ کے نزدیک لا اصل لہ متصور ہو تو امام بخاری کی ۵۳۴ روایات منفردہ ضعیفہ کا کیا حشر ہوگا۔ اور صحیح کی کیا وقعت رہے گی۔ غالباً حدیث من کنت مولاہ آپ کے نزدیک اس لئے بے اصل ٹھہری ہے کہ اُس میں علیؑ کا نام ہے کسی اور کا نام ہوتا تو اُس کا ارتقاء آپ کے نزدیک آیت قرآنی تک پہونچ جاتا۔

یہ حدیث متواتر ہے

علامہ محمد بن اسمٰعیل صنعانی روضۂ ندیہ میں حافظ العصر ابن عقدہ موالات میں، سیوطی جمع الجوامع میں، مناوی تیسیر میں، شیرازی اربعین میں، ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں، جزری اسنی المطالب میں علی القاری مرقات میں۔ صاحب نزل الابرار اپنی اس تصنیف میں شیخ دہلوی اشعۃ اللمعات میں اس کو حدیث صحیح مشہور و متواتر مانتے ہیں۔ شیخ دہلوی

تو لکھتے ہیں کہ ایک جماعت نے اس کی روایت کی اور اس کے اَن گنت طرق بتائے ہیں، بقولے سولہ صحابہ نے اور بقول امام احمد تیس صحابیوں نے اس کی روایت کی ہے۔

کثرت روایات

حافظ ابن عقدہ متوفے سنہ ۳۳۲ھ نے کتاب موالاۃ میں یک صد و یک صحابہ سے امام جزری شافعی نے اسّی صحابیوں سے امام ابوجعفر طبری نے ۷۵ صحابیوں سے۔ امام احمد بن حنبل نے تیس صحابیوں سے اور حافظ ابو العلاء العطار کوئی دو سو طریقوں سے اس کی روایت کرتے ہیں۔ یہ حدیث نہ صرف صحیح و ثابت بلکہ مشہور و متواتر بھی ہے

حدیث انا مدینۃ العلم

ذرا اور آگے چل کر فاروق صاحب ایک سانس میں حدیث انا مدینۃ العلم غلط۔ حدیث قضا صحیح۔ حدیث علی منی غلط اور حدیث مولاہ لغو فرماتے ہیں۔ اور دوسرے سانس میں سارے فضائل علی موضوع اور ان کے راویوں کو دروغ باف فرماتے ہیں۔

غالباً ہمارے مولانا کو اب چین آیا ہوگا۔ آپ کا غصہ تھما ہوگا چلو چھٹی ہوگئی نہ علیؑ رہیں اور نہ علیؑ کا نام و نشان رہے۔ مگر افسوس ہے کہ تمنا تو تمنا ہی کی حد تک رہی۔ جب تک ساری حدیث کی سیر کی تاریخ کی کتابیں دریا برد نہ کی جائیں۔ علیؑ کی تعریفیں مناقب اور فضائل باقی رہیں گے۔ صرف یہ غلط وہ لغو یہ موضوع اور وہ فضول کہنے سے کام نہ چلے گا۔ ساری کتابیں جلا دی جائیں امام زہری متوفے سنہ ۱۲۵ھ سے چودھویں صدی تک نہ کوئی محدث نہ کوئی راوی مناقب جناب امیر چھوٹا۔ اور نہ کوئی حدیث فضیلت باقی رہی جس کو مولانا نے دروغ گو اور روایت موضوعہ نہ فرمایا ہو۔ ابن جوزی جیسے متشدد بھی آج ہوتے تو مولانا کے آگے کان پکڑ لیتے۔

حدیث انامدینۃ العلم جس کو ہمارے مولانا غلط فرماتے ہیں۔ بعضوں کے نزدیک حدیث درجہ صحیح اور بعضوں کے عندیہ میں حدیث درجۂ حسن ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کو جناب امیرؑ امام حسنؑ۔ امام حسینؑ، حضرات ابن عباس، جابر، ابن عمر، ابن مسعود، حذیفہ اور انس رضی اللہ عنہم نے سُنا اور روایت کیا ہے۔

جناب امیرؑ سے امام احمد، ترمذی، شاذان، حاکم، ابن مردویہ، ابویعلےٰ، ابونعیم، ابن مغازلی، ابن اثیر، ابن نجار، ابن حجر، سیوطی وغیرہم نے اور امام حسن سے سلیمان بلخی نے امام حسینؑ سے ابن مردویہ و ابن نجار نے۔ حضرت ابن عباس سے امام ابن معین، طبری، ابوالشیخ، حاکم، ابن مردویہ بیہقی، ابن عبدالبر، ابن اثیر، خطیب، امام سیوطی، ابن حجر، علی متقی، شیخ دہلوی اور شاہ ولی اللہ نے حضرت ابن عمر سے۔ طبرانی و حاکم نے حضرت ابن مسعود سے طبرانی و ابویعلےٰ نے حضرت حذیفہ سے ابن مغازلی نے اور حضرت انس سے جزری و سلیمان بلخی نے اپنی مسندوں میں مجموں مناقبوں میں باسانید معتمد اس کی روایتیں کی ہیں۔

صحت حدیث قائلین صحت حدیث یحییٰ بن معین ابوجعفر طبری، حاکم، محمد بن طلحہ قرشی، صلاح علائی، امام جزری اور سیوطی وغیرہم ہیں۔ اور اس کے درجۂ حسن ہونے کے معترف، ترمذی، عسقلانی، سخاوی، زرقانی شوکانی، مناوی، ابن حجر، علی القاری اور متقی ہیں۔

رہا یہ امر کہ بخاری نے اس کو ترک کر دیا۔ جہاں ۹۶ ہزار صحیح حدیثیں غائب وہاں یہ بھی ایک سہی۔ مگر آپ کے اساتذہ اور شیوخ میں عبدالرزاق نے دو طریقوں سے (مستدرک ج ۳ ص ۱۲۷) یحییٰ بن معین نے دو طریقوں سے (کنز جلد ۶ ص ۴۰۱ اور تاریخ خطیب جلد ۱۱ ص ۴۹) اور امام احمد نے ۸ طریقوں سے اسکی روایت کی ہے اور امام عبداللہ حاکم نے اس کو کئی طریقوں سے جو بشرط شیخین ہیں ثابت کیا ہے۔

اور امام ذہبی نے میزان جلد اول صفحہ ۳۹۲ میں بترجمۂ سوید بن سعید اس کی روایت بہ سند متصل مسلم کے شیخ سوید بن سعید سے کی ہے اور اس سند کو عوالی الاسناد لکھا ہے۔ اس کو غلط کہہ دینا غلطی ہے۔

حدیث علی منی — ہم اہلسنت کے اجل ائمہ اور اکابر علماء مثل ترمذی، نسائی، حاکم، ابن ماجہ، امام احمد طیالسی، حضرت عمران بن حصین سے اور امام احمد و ابن ابی شیبہ و ابن ماجہ حبشی بن جنادہ سے اس کی مرفوع روایت کرتے ہیں۔ اور اس کو حدیث ثابت بدرجہ احسن تسلیم کرتے ہیں اس کو غلط کہہ دینا غلط تحقیق پر مبنی ہو گا۔

حدیث قرطاس مرویۂ بخاری — ہے بھی بڑی مضطرب اور مضطر۔ اس کے راوی تقریباً معلول و منکر، اسی کے برتے تو ہین علیؑ اور ذم عمرؓ۔ اس کے سات طریقہ ہیں۔ ہر طریقہ ضعیف اور منکر۔ ہر متن مضطرب و مضطر۔ کہیں غلب علیہ الوجع۔ کہیں ھجر۔ کہیں ھجر کہیں ہجر ھجر۔ کہیں اھجر۔ اور کہیں اھجر اھجر۔ پانچ روایتوں میں ان بیہودہ الفاظ کی نسبت نامعلوم صحابہ پر اور دو میں یہ نزلہ حضرت عمر کے سر۔ خلفاء کی توہین ہو بلا سے مگر ثابت رہے بخاری کا اثر۔ ان ساتوں کے راوی حضرت ابن عباس چودہ سالہ عمر، جمعرات کا دن، زانو سے جناب امیرؑ پیغمبرؐ۔ سرہانے حضرت عباس بیٹھے ہوئے ہیں حضرت ابوبکر اور چوکھٹ پر حضرت عمر۔ باقی تین چار سو صحابہ محاذی حجرۂ پیغمبرؐ۔ حضور فرماتے ہیں کہ کوئی کاغذ لادو تاکہ تمہارے لئے وہ بات لکھ دوں جس کے بعد تم گمراہ نہ ہو۔ اس پر چہ می گوئیاں ہونے لگیں۔ فرمایا۔ اٹھو۔ اب رخصت۔ اسی پر طرفداران علیؑ و عمرؓ میں چودہ صدی سے جنگ متواتر کبھی ادھر سے کافر کبھی اُدھر سے کافر۔

مناقب جیسے جس کے مروی ہیں وہ بے کم و کاست سب قابل قبول اور اُن کم

جرح و اعتراض طرفدارانہ فضول اور اُن میں ہماری کمی بیشی نہایت نامعقول اور ہماری
رد و قدح بالکل لغو و فضول - ہاں اگر خلفاء پیغمبرؐ کی توہین کہیں مروی ہو تو وہ بلا استثناء
نا قابل قبول اور قطعاً مہمل و فضول ہے - اس پر رد و قدح ہر ممکن طور سے مقبول - یہی ہے
مذہب ہم حنفیہ کا اور عموماً اہل سنت کا - یہی وجہ تھی کہ ہمارے علماء نے باوجود کٹر
سُنی ہونے کے دوسری صدی سے لیکر صدہا مستقل کتابیں مناقب علیؓ میں لکھیں اور
آج بھی لکھتے جا رہے ہیں -

حدیث قرطاس کا نہ تو حضرت علیؓ نے نہ حضرت عباس نے نہ حضرت ابوبکر نے
نہ حضرت عمر نے اور نہ کسی ام المومنین نے کبھی تذکرہ کیا - اور نہ ہی اُن پیشں دالائی تین
چار سو صحابیوں نے اس کا کوئی اشارہ کیا - لے دے کے بس ایک ابن عباس
ہیں - جن کو ہمارے محدثین اس اہم واقعہ کا مفرد راوی قرار دیتے ہیں جو اس وقت بہ شہادت
معتبرہ نہ تو حجرہ مبارکہ کے اندر تھے اور نہ باہر دالانِ مسجد میں تھے - حافظ ابن
حجر شارح بخاری نے فتح الباری باب کتابۃ العلم میں ابنِ عباس کی عدم موجودگی کا
اثبات شواہد اور قرائن سے درایت اور روایت سے کر دیا ہے - اب اس
روایت کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے ظاہر ہے -

علاوہ بریں اس فرضی حکایت کے راویوں میں یحییٰ بن سلیمان ہیں جن کو ابن
معین و نسائی و ابوحاتم غیر ثقہ اور راوی منکرات کہتے ہیں - دوسرے راوی
قبیصہ ہیں جو امام احمد کے نزدیک کثیر الاغلاط ہیں یحییٰ کے نزدیک ضعیف اور
ابن قطان کے عندیہ میں وہمی اور کثیر الاغلاط ہیں - تیسرے راوی یونس بن یزید
ہیں جو وکیع کے نزدیک سئی الحفظ اور کثیر الاغلاط - ابن سعد کے نزدیک نا قابل روایت
اور امام احمد کے نزدیک مردود ہیں - چوتھے علی بن عبداللہ ہیں جو عقیلی کے ضعفاء
میں داخل اور عقیدتاً بدعقیدہ - مسلم کے نزدیک نا قابل احتجاج اور ابوذرعہ کے
نزدیک نا قابل روایت اور ابوحاتم کے نزدیک راوی منکرات ہیں - دو چار کا یہ حال

باقیوں کا حال کتب رجال میں نہ معلوم کیا ہے ۔ یہ وہ حدیث ہے جس پر صدیوں سے ہم مسلمانوں کے دو بڑے فرقوں میں جنگ و جدال ہے

مولانا فاروق فرماتے ہیں۔" انتقال کے وقت حضرت علیؑ کی موجودگی اور دستِ مبارک کا اُن کے اوپر ہونا ۔ ریاض نضرہ کی جھوٹی روایت ہے جو حضرت عائشہ کے پُر فخر صحیح واقعہ کے جوڑ پر تراشی گئی ہے ۔ صحیح روایات سے حضرت علیؑ کا کاشانۂ نبوی میں موجود ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا ۔

جناب من حضرت علیؑ کا کاشانۂ نبوی میں رہنا بھی اس لئے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت علیؑ کا حجرہ متصل حجرۂ حضرت عائشہ تھا (بخاری) ریاض نضرہ طبری ناقابل روایت ہے ۔ اس کے اصل راوی جنہیں آپ جھوٹا کہہ رہے ہیں ۔ وہ امام احمد بن حنبل ۔ امام نسائی ۔ دارقطنی و حاکم ہیں ۔ آپ ان بزرگوں کو جو چاہیں کہیں ۔ بخاری جو آپ کے عندیہ میں مضبوط ماخذ ہے اُس سے ثابت ہے کہ حضرت علیؑ ایک دیوار کی آڑ سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس حجرہ کے متصل رہتے تھے ۔ اور آپ کا حجرہ وسط بیوت ازواج مطہرات تھا ۔ بیٹی تو باپ کے سرہانے رات دن رہے اور داماد بلکہ بھائی اپنے بھائی کے آخری وقت قرب و جوار میں بھی نہ رہے ۔ یہ آپ کے جذبات ہیں ۔ کوئی وحی یا واقعہ نہیں ۔ یہ تو تجاہل عارفانہ ہے ۔ کیوں مولانا سچ سچ کہنا ۔ آخر وہی علیؑ تھے نا ؛ جنہوں نے پیغمبرؐ کو نہلایا ۔ دُھلایا ۔ کفنایا اور دفنایا تھا ۔ کیا یہاں پر بھی علیؑ کا وجود آپ کے نزدیک موجود نہ تھا ؟

آپ مانیں نہ مانیں حضورؐ کے آخر وقت علیؑ ہی پاس تھے ۔ حضورؐ کی چادر میں علیؑ ہی تھے ۔ دستِ مبارک علیؑ ہی کی گردن میں حمائل تھا ۔ اور علیؑ کے سینہ پر ہی پیغمبرؐ کا سر وقت آخر تھا ۔ حضرت ام سلمہؓ یہی کہتی ہیں اور حضرت

عائشہ یہی فرماتی ہیں ۔ امام احمد نے اس کو حضرت ام سلمہ رض سے بطرق متعددہ روایت کیا ہے ۔ اور نسائی و حاکم حضرت ام سلمہ رض سے یہی روایت کرتے ہیں ۔ دار قطنی حضرت عائشہ سے یہی نقل کرتے ہیں ۔ اور ابن عدی ابن عمر سے یہی روایت کرتے ہیں ۔ ابن سعد کئی طریقوں سے طبقات میں ۔ اور فخر رازی اربعین میں اس کا اثبات کرتے ہیں ۔ ان کے مقابلہ میں آپکی ہائے وائے فضول ہے ۔ اگر یہ تراشی ہوئی بات ہوتی تو امام زرقانی اور شیخ دہلوی میں جمع بین الروایتین کی زحمت اور تکلیف نہ ہوتی (زرقانی وفات النبی اور مدارج جلد دوم ص۵۵۲) ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ سعادت بی بی کو بھی نصیب ہوئی اور بھائی کو بھی ۔ رہی آپ کی اور پنڈت جی کی منقصت خلفاء راشدین نہ ہمیں اس سے کوئی غرض نہ کوئی مطلب ۔ کسی کے بھی قلم سے نکلے بری بات بری ہی ہے ۔

وفقنا اللہ وایاکم

فقیر عینی نظامی